خلفائے راشدین

Ferozsons Limited

خلفائے راشدینؓ

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور - راولپنڈی - کراچی

14/00

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 082678
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

فہرست

پہلے خلیفہ

حضرت اُبُوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہٗ

حضرت اُبُوبکر صدّیقؓ عرب کے مشہُور قبیلہ قریش سے تھے۔ اُن کا سلسلہ نسب پانچویں پُشت میں رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی پیدائش آنحضرتؐ کے دُنیا میں تشریف لانے کے دو ڈھائی سال بعد ہوئی ؛

پیدائش کے وقت والدین نے اُن کا نام عبدالکعبہ (کعبہ کا بندہ) رکھا۔ مگر اسلام قبول کر لینے کے بعد آنحضرتؐ نے اُن کا نام بدل کر عبدُاللہ (اللہ کا بندہ) کر دیا۔ اُبوبکر آپ کی کُنیت ہے۔ صدّیق اور عتیق لقب ہیں۔ آپ زیادہ تر اپنی کُنیت اور لقب صدّیق سے مشہُور ہیں۔ آپ کے باپ کا نام اُبوقحافہ اور والدہ کا نام اُمّ الخیر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ

کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے والد ابُو قحافہ اور بیٹے عبدُالرحمٰن اور پوتے محمّد بن عبدُالرحمٰنؓ چار پشتیں آنحضرتؐ کی صحابی ہیں ؏

حضرت ابوبکرؓ جوانی کے زمانے میں بھی نہایت شریف اور خوش اخلاق تھے۔ ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث اُس زمانے کے علوم و فنون سے خوب واقف تھے۔ وہ شاعری میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد کا کلام اب بھی موجود ہے۔ خصوصاً آپ کی لکھی ہوئی مناجات تو بے حد مقبول ہے۔ محتاجوں اور غریبوں سے آپ ہمیشہ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے اور اپنی نیک عادات کے باعث اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز تھے ؏

حضرت ابوبکرؓ کی عقل مندی اور انصاف پسندی کے باعث مکّہ کے رہنے والے اکثر اہم معاملات میں آپ ہی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ قبیلۂ قریش میں اگر کوئی قتل ہو جاتا تو اُس کے خُون بہا کا فیصلہ حضرت ابوبکرؓ ہی کرتے۔ اگر ملزم فوراً خون بہا کی رقم ادا نہ کر سکتا تو آپ اُس کو مہلت دے کر

ضامن بن جاتے۔ جس سے فریقِ مخالف مطمئن ہو جاتا۔

عرب میں تجارت ہی ریاست، دولت مندی اور عزّت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ بھی گنتی کے اُن لوگوں میں تھے، جو تاجر کی حیثیت سے بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ آپ کئی مرتبہ تجارت کا مال لے کر شام اور یمن کے مُلکوں میں گئے۔

آنحضرتؐ کے نبوّت کے اعلان سے پہلے آپ تجارت کے سلسلے میں ملکِ شام میں مقیم تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ "ایک پاکیزہ نور آسمان سے اُتر کر خانۂ کعبہ کی چھت پر چمک اُٹھا ہے۔ اُس کی شعاعیں مکّہ اور اِرد گِرد کی دُنیا میں پھیل گئی ہیں۔ اس کے بعد وہ نور سمٹ کر اُن کے گھر میں جمع ہو گیا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک یہُودی سے اِس خواب کی تعبیر پُوچھی تو اُس نے کوئی تسلّی بخش جواب نہ دیا۔ اُس کے بعد آپ نے یہی خواب بحیرہ نامی راہب کے سامنے بیان کر کے اس کی تعبیر دریافت کی تو اُس نے سب سے پہلے آپ سے یہ پُوچھا کہ "تم ہو کون؟" اُنھوں نے اپنا سارا حال کہہ سُنایا۔ بحیرہ

نے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ "اللہ تعالیٰ تم میں آخری نبی پیدا کرے گا۔ تم اُس کے صحابیوں میں ہوگے اور وفات کے بعد خلیفہ بنائے جاؤگے"۔

جب آپ سفر سے واپس آئے تو حسبِ قاعدہ قریش کے سرداروں سے ملے۔ باتوں باتوں میں حضرت صدّیق اکبرؓ نے اُن سے پُوچھا کہ "مکّہ کی کوئی تازہ خبر ہو تو بیان کرو"۔ اُبوجہل وغیرہ رؤسا نے کہا کہ "سب سے تازہ اور دِلچسپ خبر یہ ہے کہ اُبو طالب کے یتیم بھتیجے نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اور کہتا ہے کہ بُتوں کو چھوڑ کر ایک خُدا کی پُوجا کرو۔ اب یہی اِنتظار تھا کہ تم واپس آؤ تو تمھارے مشورے کے بعد اس کے روکنے کا کوئی بندوبست کیا جا سکے"۔

جب یہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے تو جنابِ صدّیقؓ کو حضرت رسُولِ کریمؐ سے مُلاقات کا شوق پیدا ہُوا۔ چنانچہ آپ فوراً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ حضُورؐ نے آپ کے رُوبرو اسلام پیش کرتے ہُوئے اُن کا خوابِ، یہودی کی پہلی تعبیر

اور بحیرہ کی تعبیر کا پورا حال بیان کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابُوبکرؓ نے اپنے خواب کا کسی سے ذِکر تک نہ کیا تھا۔ اس پر وہ سچے دِل سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ایمان لے آئے۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ "میں نے جس شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس میں کچھ نہ کچھ تردّد ضرور دیکھا مگر ابُوبکر کو جس وقت دعوت دی گئی، اُس نے فوراً بلا جھجک قبول کر لیا"

حضرت ابُوبکر صدّیق کے ایمان لانے سے آنحضرتؐ کو اسلام کی تبلیغ میں بڑی مدد ملی اور وہ صحابہؓ جن کے کارنامے اسلام کی تاریخ کو روشن کر رہے ہیں، انھیں کے اثر سے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں بہت سا مال صرف کیا۔ جو غلام مسلمان ہو جاتے تھے، اُن کے کافر آقا اُن پر بڑی سختیاں کرتے تھے۔ جناب صدّیقؓ اُن کو اُن کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت بلالؓ جو اسلام کے پہلے مؤذّن تھے، اُنھیں بھی حضرت صدّیقؓ ہی نے اُن کے ظالم آقا

سے خرید کر آزاد کیا تھا۔

شروع شروع میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق پوشیدہ طور پر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ مگر جب خدا کا پیغام لوگوں تک علانیہ پہنچانے کا وقت آیا تو جناب صدیقؓ بے دھڑک تیار ہو گئے۔ ایک موقع پر جب رسولِ خداؐ حرم میں نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو کفّار مارے غصّے کے آپے سے باہر ہو گئے۔ ان لوگوں کے سرغنہ عتبہ نے آنحضرتؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اس زور سے اُسے بل دیئے کہ حضورؐ بے ہوش ہو گئے۔ اتنے میں جناب صدیقؓ کو خبر ملی تو دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے اور کفّار کے مجمع میں گھُس کر فرمایا "لوگو! تم اُس شخص کے قتل کے درپے ہو، جو اللہ کو خُدا مانتا ہے۔ پھر عتبہ کو دھکّے دے دے کر پرے ہٹایا۔ اس پر کفّار حضرت صدّیقؓ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر پیٹا کہ آپ کا سر کئی جگہوں سے پھٹ گیا۔ آخر عزیزوں نے آکر چھڑایا۔ صدّیق اکبرؓ پٹتے جاتے تھے اور فرماتے تھے "اے اللہ! تیری ذات بڑی برکتوں والی ہے۔" آپؓ کی

صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "اِس مار پیٹ کے بعد جب آپ گھر تشریف لائے تو آپ کے سر کی یہ حالت تھی کہ زخم پر جہاں ہاتھ رکھتے تھے، بال الگ ہو جاتے تھے"۔

جب کفّارِ مکّہ مسلمانوں کو بہت تنگ کرنے لگے اور اُن کی سختیاں حد سے بڑھ گئیں تو آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو جو مصائب برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے، مکّے سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ دُوسرے لوگوں کے ساتھ جناب صدّیق رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کو تیار ہو گئے اور یمن کے راستے حبشہ کا قصد کیا۔ راستے میں اُنھیں قارہ کا رئیس ابن الدّغنہ ملا۔ جب اُسے اُن کی ہجرت کا حال معلوم ہوُا تو کہنے لگا۔ "آپ ایسے شخص کو جو بیکسوں کا حامی، غمزدوں کا غمخوار، نیک اور سچّا ہو! وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ میں تمھیں پناہ دیتا ہوں۔ تم واپس مکّہ چلو اور اپنے خدا کی عبادت کرو"۔ اس پر جنابِ صدیقؓ واپس آ گئے۔

قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے ابنُ الدّغنہ

کی امان کو اس شرط پر قبول کیا کہ صدیق اکبرؓ علانیہ اپنے رب کی عبادت نہیں کریں گے۔ گھر کے اندر انھیں نماز وغیرہ کی اجازت ہوگی۔ ایک مُدّت تک جنابِ صدیقؓ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن آخر اس پابندی سے تنگ آ گئے اور کُھلے بندوں خدا کی عبادت کرنے لگے۔

جنابِ صدیقؓ پر کلامِ الٰہی کا خاص اثر ہوتا تھا۔ تلاوت کے وقت زار و قطار رویا کرتے تھے۔ ان موقعوں پر قریش کے نوجوان مرد اور عورتیں ان کے گرد جمع ہو جاتیں اور اُن پر حضرتِ صدیقؓ کے خلوص کا بہت گہرا اثر ہوتا۔ یہ حالت دیکھ کر قریش کے سردار ابن الدّغنہ کے پاس شکایت لے کر گئے۔ اُس نے کہا "میں ابو بکرؓ کو سمجھاؤں گا"۔ چنانچہ ابنُ الدّغنہ نے جب جنابِ صدیقؓ سے اِس شکایت کا اظہار کیا تو آپؓ نے فرمایا۔ "مجھے اپنے مولا کی پناہ کافی ہے۔ آپ اپنی پناہ واپس لے لیں"۔

جب مکّہ میں کُفّار کی سختیاں بہت بڑھ گئیں تو رسولِ خداؐ نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر

جانے کا حکم فرمایا۔ بہت سے صحابی جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ میرے لئے کیا حکم ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا "تم ابھی ٹھہرو۔ ہم خود بھی چلنے کو تیار ہیں۔ صرف اللہ کے حکم کا انتظار ہے۔ چنانچہ جناب صدّیقؓ اطمینان سے حکمِ الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔

کفّارِ مکّہ کو جب اِس بات کا علم ہوا کہ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اور کسی وقت نبی کریمؐ بھی تشریف لے جائیں گے تو ابوجہل نے تمام سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ "اگر محمدؐ نکل گیا تو اچھّا نہ ہوگا۔" مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ آخر اِس بات پر اتّفاق ہوا کہ ہر قبیلہ سے ایک ممتاز جوان چُن لیا جائے اور وہ سب مل کر یک دم آنحضرتؐ پر حملہ کر دیں۔ اِس صُورت میں ان کا خون تمام قبیلوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اِن کے خاندان کے لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ وہ سارے قبیلوں سے لڑائی مول لیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد ہر قبیلے سے ایک ایک

جوان لیا گیا اور ایک رات مقرّر کر کے اُن سے
کہہ دیا گیا کہ وہ محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے
مکان کے پاس جمع رہیں۔ جس وقت وہ صبح باہر
نکلیں تو سب مل کر ایک ساتھ حضورؐ پر ٹوٹ پڑیں
اور قتل کر ڈالیں۔

آنحضرتؐ کو دشمنوں کے منشوروں کی اطّلاع
ملتی رہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہجرت
کا حکم آ گیا تو آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر
تشریف لے گئے۔ ان سے تمام واقعہ بیان فرمایا۔
اُنھوں نے ساتھ رہنے کی درخواست کی۔ جسے
آنحضرتؐ نے قبول فرمایا۔

جب سے حضرت ابوبکرؓ صدّیق کو معلوم ہوا
تھا کہ ہم کو یہاں سے ہجرت کرنا ہے اسی وقت
سے اُنھوں نے خاص طور پر دو اونٹوں کی پرورش
شروع کر دی تھی۔ چنانچہ فوراً دونوں اُونٹ آنحضرتؐ
کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی کہ ان میں
سے ایک پسند فرما لیجئے۔ آنحضرتؐ نے ایک
اُونٹ خرید لیا اور رات کا وقت روانگی کے لئے
مقرّر فرمایا۔ عبداللہ بن اریقط کو بطور رہبر ساتھ لے

چلنے کا حکم ہوا اور کہہ دیا گیا کہ تین دن کے بعد دونوں اونٹ غارِ ثور پر لے آئے۔

جب رات ہونے کو آئی تو اس خیال سے کہ مشرکین مکہ کو یہ شبہ نہ ہو کہ آپ گھر میں نہیں ہیں، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا کر اپنی چادر اوڑھا دی اور اُن سے کہا کہ تم یہاں رہ کر ان امانتوں کو جو لوگوں نے میرے پاس رکھی ہوئی ہیں، ادا کر کے مدینے چلے آنا۔

رات کو آنحضرتؐ جناب صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی کھڑکی سے باہر نکلے، جناب صدیقؓ کو ساتھ لیا اور غارِ ثور میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے پناہ لی۔

اِدھر قریش کے جوان رات بھر آنحضرتؐ کے مکان کے گِرد گھومتے رہے اور منتظر رہے کہ جب آنحضرتؐ باہر تشریف لائیں تو ان پر وار کریں۔ لیکن دن چڑھنے پر جب انھیں معلوم ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے بستر پر آرام فرما رہے ہیں

تو اُنھوں نے فوراً اپنے سرداروں کو اس واقعہ کی اطّلاع دی۔ سرداروں نے ہر طرف آنحضرت ؐ کی تلاش میں سوار اور پیدل دوڑائے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص حضورؐ کو زندہ یا مُردہ کسی حالت میں لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ انعام کے لالچ میں لوگ چاروں طرف دوڑے مگر ناکام واپس لوٹے ؛

آنحضرتؐ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تین دن تک غار میں رہے ۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہُوئے تھے ۔لیکن دن بھر مکہ میں کُفّار کے ارادوں اور مشوروں کا پتہ لگاتے رہتے اور شام کو غار میں آ کر سُنا دیتے تھے ۔ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ رات کو کھانا تیار کر کے لے جاتی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ سویرے سویرے اپنی بکریاں لے کر غارِ ثور کے دہانے پر پہنچ جاتا اور دُودھ پلاتا ۔ اس ریوڑ سے عبداللہ اور اسماءؓ کے قدموں کے نشان بھی مٹ جاتے تھے ۔ ان تین دنوں میں حضرت ابوبکرؓ بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ غار ہی میں

رہے اور ہر قسم کی خدمت اور خاطر داری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضورؐ سو جاتے اور حضرت ابوبکرؓ پہرے داری کرتے۔

غارِ ثور میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام سوراخ بند کئے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ بند نہ ہو سکا تھا۔ اُس پر صدّیق اکبرؓ نے اپنی ایڑی رکھ دی۔ اس میں ایک سانپ تھا۔ جس نے اُنھیں ڈس لیا۔ آپ کو اگرچہ انتہائی تکلیف تھی مگر آپ نے اُف تک نہ کی۔ مگر چند قطرے آنسوؤں سے بے اختیار نکل کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبارک چہرہ پر گر گئے جس سے آپ جاگ اُٹھے اور تکلیف کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے سانپ کے ڈس لینے کا واقعہ بیان فرمایا۔ آپ نے فوراً اپنے منہ کا لعاب زخم پر لگا دیا جس سے اُسی وقت تکلیف دور ہو گئی۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ کفّارِ قریش ہماری تلاش میں اس غار تک بھی پہنچے۔ وہ ہمارے اِس

قدر نزدیک تھے کہ ان کے پاؤں کی چاپ صاف سُنائی دیتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرائے تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ''ابوبکرؓ! گھبراؤ نہیں۔ خُدا ہمارے ساتھ ہے''۔

خُداوند کی قُدرت دیکھو کہ دشمنوں کے آنے سے پہلے ہی ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ جسے دیکھ کر وہ لوگ واپس لَوٹ گئے کہ اس غار میں کوئی نہیں ہوگا۔

تین دن کے بعد عبداللہ بن اریقط رہبر وہی دو اُونٹ لیے ہُوئے رات کو غار پر پہنچا۔ ان میں سے ایک اُونٹ پر آنحضرتؐ اور جناب صدّیق اکبرؓ سوار ہُوئے اور دُوسرے پر عبُداللہ بن اریقط اور حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ۔ مدینے جانے کے لیے آپ نے عام راستہ چھوڑ کر دُوسری راہ اختیار کی۔ جہاں کہیں آرام کی غرض سے پڑاؤ ہوتا، حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگہبانی کے فرائض انجام دیتے۔

مدینہ منوّرہ پہنچ کر چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اپنے بال بچّوں کو بھی وہیں بُلوا

لیا۔ اُس وقت اُن کے پاس پانچ ہزار دینار تھے مہاجرین میں سے اصحابِ صُفّہؓ کا خرچ خاص طور پر آنحضرتؐ کے ذمّے تھا اور آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی یہ کیفیت تھی کہ روپیہ نہ کبھی جمع کیا، نہ رکھا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ حال دیکھ کر تمام رقم آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دی کہ اُسے اصحابِ صُفّہؓ کی امداد اور مہاجرین کی مہمان داری پر خرچ کر دیا جائے۔

نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ پہنچے تو ہر ایک انصاری کی یہی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ اسی کے مکان پر ٹھہریں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ "جہاں اُونٹ بیٹھے گا، وہیں اُتر جاؤں گا۔" چنانچہ اُونٹ حضرت ایّوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے وہیں قیام کیا۔ وہ جگہ جہاں اُونٹ بیٹھا تھا، آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے دس اشرفیوں کے عوض خرید لی۔ یہ قیمت بھی حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللّٰہ عنہ کے سرمائے سے ادا کی گئی۔ اِس زمین پر بعد میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں کُفّار سے جس قدر جنگیں ہوئیں۔ اُن میں حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حِصّہ لیا۔

بدر کے میدان میں ہزاروں کُفّار کے مقابلے میں صرف ۳۱۳ مسلمان جہاد کو نکلے۔ سامانِ جنگ کی یہ حالت تھی کہ کسی مسلمان کی تلوار پر نیام تک نہ تھی۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جب محبوبِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم خُدا سے دُعا مانگ رہے تھے تو حضرتِ صدّیق رضؓ آپؐ کی چادر کو آپؐ کے شانوں پر اُٹھائے ہوئے تھے اور جب صحابہ رضؓ نے حضورؐ کے آرام کی خاطر ایک طرف چھوٹا سا ایک خیمہ نصب کر دیا تو صدّیق اکبر رضؓ تلوار لے کر دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ پھر جب آنحضرتؐ قریش کے مقابلہ کے لیے میدان میں آئے تو داہنے بازو کے افسر ابوبکر صدّیق رضؓ اور بائیں بازو پر جناب حضرت علی المرتضیٰ رضؓ مقرّر ہوئے ؎

جنگ میں جب حضرت صدّیق رضؓ کے باپ ابُوقحافہ اور بیٹے عبدالرحمٰن قریش کی طرف سے مسلمانوں

کو للکارتے ہُوئے نکلے تو حضرت صدّیق نے آنحضرتؐ سے باپ اور بیٹے سے لڑنے اور ان کے سر کاٹ کر لانے کی اِجازت طلب کی مگر آنحضرتؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:" نہیں! اس کام میں نہ جلدی کی ضرورت ہے، نہ تمھاری خصوصیّت کی حاجت۔" چونکہ خُدا کو اِن دونوں کا مسلمان ہونا منظور تھا، اِس لیے یہ دونوں بچ رہے، اور بہت جلد مسلمان ہو گئے۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلّق صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابُوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ آنحضرتؐ کو جنابِ صدّیقؓ کی رائے پسند آئی اور قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن میں سے اکثر مُسلمان ہو گئے اور مسلمان بھی ایسے جن پر اسلام ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔

جنگِ اُحد میں جب رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت کی افواہ اُڑی تو سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ہی موقع پر پُہنچے اور جب آنحضرتؐ

درّۂ کوہ پر تشریف لے گئے تو حضرت ابُوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ ہمراہ تھے۔ غزوۂ خندق میں فوج کا ایک دستہ جنابِ صدیقؓ کی کمان میں خندق کے ایک حِصّے کی نگرانی پر مقرّر تھا۔ آپ نے نہایت دلیری اور شجاعت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ چنانچہ اب تک وہاں مسجد صدیقؓ کے نام سے اُن کی یادگار موجُود ہے ::

آنحضرتؐ کو مدینہ تشریف لائے ہُوئے چھ برس گُزر چکے تھے کہ کعبہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوُا۔ چنانچہ آنحضرتؐ مکّہ کی طرف چل پڑے اور اِس خیال سے کہ کفّار جنگ کا شُبہ نہ کریں، عُمرہ کا احرام باندھا اور قُربانی کے اُونٹ ساتھ لے لیے۔ قریش کو جب مسلمانوں کی آمد کی اِطّلاع ملی تو وہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضرتؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ کے قریب پہنچ کر مقامِ حدیبیہ میں قیام کیا اور حسبِ عادت صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدّیقؓ اکبر نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا جائے۔ وہ مکّہ کے سرداروں کو سمجھائیں گے کہ ہم محض حج اور عمرہ

کے لیے آئے ہیں۔ لڑنا ہمارا مقصد نہیں۔"
آنحضرت صلعم نے اِس تجویز کو پسند فرمایا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر بھیجا گیا۔ جب دو تین دِن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس نہ آئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سخت فکرمند ہوئے۔ پھر افواہ اُڑی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔" یہ سُن کر مسلمانوں کا خون کھولنے لگا۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و سلّم نے ایک درخت کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دُشمن کے مقابلہ کی بیعت لی۔ جو بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ جب کفّار کو مسلمانوں کی تیاری کا علم ہوا تو وہ صلح پر آمادہ ہو گئے۔

صلح کی جو شرطیں طے ہوئیں وہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اِن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بے قرار ہو کر جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دَوڑے آئے اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام واقعات سُن کر نہایت اطمینان سے فرمایا۔" عمر رضی اللہ عنہ! آنحضرت صلعم کی رکاب تھامے رہو۔" چنانچہ جب معاہدہ لکھا جا چکا تو اُس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور دوسرے صحابہؓ کے دستخط کرائے گئے ؎

ان کے علاوہ خیبر، مکّہ اور طائف وغیرہ کے غزوات میں بھی جناب صدّیق اکبرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے اور بہادری کے خُوب جوہر دکھائے۔ جب مسلمان فتح مکّہ کے بعد مکّہ سے مدینہ کو لَوٹے تو مکّہ کے بھاگے ہُوئے لوگوں اور قبائلِ ہوازن نے وادیٔ حُنین کے قریب مُسلمانوں کو روکا۔ پہلے ہی حملہ میں مُسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور تمام فوج تتّر بتّر ہو گئی۔ آنحضرتؐ اِس موقع پر تنہا ہی رہ گئے۔ آخر آپؐ کی آواز پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے۔ اہل بیت میں سے حضرت عبّاسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت اُسامہؓ بن زید اور آپ کی کھلائی کے بیٹے ایمنؓ واپس آئے۔ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے۔ اِس لیے اُنھوں نے نبی کریمؐ کا پیغام اُونچی آواز سے صحابہؓ تک پُہنچایا۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو فتح نے مسلمانوں کے قدم چُومے ؎

اب غزوۂ تبُوک کا حال سُنو۔ اُس وقت تمام عرب میں قحط پڑا ہُوا تھا۔ رسُولِ خُدا صلّی اللّٰہ علیہ

وسلّم کے پاس رسد کا سامان اور فوج کی تیاری کے لیے کچھ نہ تھا۔ دشمنوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو بد دِل کرنے اور پھسلانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ کُفّار کی چالیں کامیاب ہو رہی ہیں تو آپؐ نے اسلام کے فداکاروں سے امداد کے لیے کہا۔ حضرت عثمانؓ نے سینکڑوں اُونٹ اور دیگر قیمتی سامان پیش کیا اور دُوسرے صحابہؓ نے بھی اپنی اپنی ہمّت سے بڑھ کر امداد دی۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن جب آنحضرتؐ نے جناب صدّیقؓ سے پُوچھا کہ "اے ابوبکرؓ! بال بچّوں کے لیے کیا چھوڑ آئے" تو جواب دیا "یا رسُولؐ اللہ! میں اپنے گھر میں اللہ اور اُس کے رسُول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ باقی سب کچھ آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا ہے۔" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ صدّیقؓ کا یہ ایثار دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ خیراتی کاموں میں اُن سے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔" علّامہ اقبال مرحوم نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے ؎

اِک دن رسُولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار
ارشاد سُن کے فرطِ طرب میں عمرؓ اُٹھے
اُس روز اُن کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دِل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدّیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسُولِ خُداؐ کے پاس
ایثار کی ہے دستِ نگر اِبتدائے کار
پُوچھا حضُور سرورِ عالم نے "اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھّا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تُو نے کیا
مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار"
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ مِلّتِ بیضا پہ ہے نثار
اِتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آ گیا
شاہد ہے جس کے عہد و وفا پر حِرا کا غار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اِعتبار
مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس

اسپ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ "چاہیئے فکرِ عیال بھی"
کہنے لگا وہ عشق و محبّت کا راز دار
اے تُجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روز گار
پروانوں کو چراغ، عنادل کو پُھول بس
صدّیقؓ کے لیے ہے خُدا کا رسُولؐ بس

اُسی سال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جناب صدّیقؓ کو حاجیوں کے ایک قافلے کا امیر بنا کر مکّۂ معظّمہ کی طرف روانہ فرمایا اور اپنی طرف سے بیس اُونٹ بھی قربانی کے لیے ساتھ کر دیئے۔ جناب صدّیقؓ نے اپنا فرض نہایت اچھّی طرح انجام دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کے طریقے سکھلائے اور منادی کر دی کہ آیندہ سے کوئی مُشرک بیتُ اللہ میں داخل نہ ہو اور یہ بھی اعلان کیا کہ جن مشرکین سے معاہدہ ہو چُکا ہے اُن کے ساتھ معاہدے کی مُدّت تک عہد کی پابندی کی جائے گی۔ جن سے کوئی عہدنامہ نہیں ہؤا، اُن کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس کے

بعد اللہ اور اس کے رسولؐ پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی ؛

اس اعلان کے بعد مکّہ کے باقی ماندہ کُفّار بھی مُسلمان ہو گئے اور عرب کے جو قبائل رہ گئے تھے، ان میں سے اکثر آنحضرتؐ کی خدمت میں آنا شروع ہوئے اور مسلمان ہونے لگے ؛

اگلے سال آنحضرتؐ مکّہ مُعظّمہ میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے سامنے حجۃ الوداع کا خُطبہ ارشاد فرمایا۔ حج سے فارغ ہو کر جب حضورؐ مدینہ کو لوٹے تو طبیعت ناساز ہو گئی۔ کم و بیش چودہ روز بیمار رہے۔ جب بیماری کی شدّت ہوئی تو حضرت عائشہ صدّیقہ رضہ بنت حضرت صدّیق اکبرؓ کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روز مسجد میں تشریف لائے اور شہدائے اُحد کے لیے دُعا کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ" اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دُنیا کے انعامات قبول کرے، خواہ وصالِ الٰہی۔ سو اُس بندے نے خُدا کے قُرب ہی کو ترجیح دی ہے"۔ جناب ابو بکرؓ یہ سُن کر رونے لگے تو آنحضرتؐ نے

فرمایا" ابوبکرؓ ہوش کرو۔" پھر فرمایا" مسجد کی طرف جس قدر مکانوں کے دروازے ہیں، بند کر دیئے جائیں۔ مگر ابوبکرؓ کا دروازہ بدستور رہے۔" پھر ارشاد کیا کہ "میرے نزدیک رفاقت و احسانات کے اعتبار سے ابوبکرؓ سے افضل کوئی نہیں۔ اگر دنیا میں میں کسی کو دوست بنا سکتا تو یقیناً ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ ہی بہت کافی ہے"۔

جب مرض کی شدت کی وجہ سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں نہ جا سکے تو حضرت صدیقؓ کو امامت کے فرائض انجام دینے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جناب صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی حیات میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات سے ایک دن پہلے آنحضرتؐ نے سنبھالا لیا اور نماز ظہر ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت صدیقؓ کی امامت میں جماعت ہو رہی تھی۔ آپؐ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ آپؐ آگے بڑھے۔ صحابہ کرامؓ نے راستہ دے دیا۔ حضرت صدیقؓ پیچھے ہٹنے کو تھے کہ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ" نماز پڑھائے جاؤ۔" اور خود دائیں طرف

اُن کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ نماز ادا ہو جانے کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ وفات کے دن بھی صُبح کی نماز کے وقت پردہ اُٹھا کر دیکھا اور صحابہؓ کو دیکھ کر مسرور ہُوئے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر کہ آج آنحضرتؐ کی طبیعت بحال ہے باہر تشریف لے گئے۔ دفعتہً مرض کا شدّت سے حملہ ہُوا اور ذاتِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وِصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

عہدِ خلافت

جناب صدیقؓ کو جب آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منوّرہ پہنچے۔ سیدھے حضرت عائشہ صدّیقہؓ کے حجُرے میں گئے۔ حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرے پر سے چادر ہٹا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور روتے ہُوئے فرمایا۔ "میں اور میرے ماں باپ قُربان ہوں۔ آپ کی زندگی اور موت دونوں پاک ہیں" یہ کہہ کر چہرہ چادر سے ڈھک دیا اور باہر تشریف لے آئے ؎

صحابہؓ میں بڑا ہیجان تھا۔ اتنے میں خبر ملی کہ

انصارؓ جمع ہو کر اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرنے کی تجویز پر غور کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ فوراً سقیفہ میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے مہاجر بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے ان کو روک دیا اور خود نہایت سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ جس میں پہلے مہاجرین کی تاریخ اور اُن کی بزرگی بیان کی۔ اُن مصائب کا ذکر کیا جو انھوں نے برداشت کیے تھے۔ اس کے بعد انصارؓ کی دینی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ "بہتر ہے کہ امام قریش میں سے ہو۔ ہم امیر ہوں تم وزیر۔ تمھارے مشورے کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کے بعد حباب بن منذر خزرجی نے ایک جوشیلی تقریر کرتے ہوئے دو امیر بنانے کی تجویز پیش کی۔ ایک امیر قریش میں سے اور ایک انصار میں سے۔ حضرت عمرؓ اس پر بگڑ گئے اور سخت کلامی بھی ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اے

گروہِ انصار! دینِ اسلام کی سب سے پہلی فتح تمہارے ہاتھ سے ہوئی۔ اب اس کی بربادی میں تم کو پہل نہیں کرنی چاہیئے۔" اس پر بشیر بن سعد انصاریؓ نے کھڑے ہو کر اپنی قوم کو سمجھایا کہ اُن کا مطالبہ درُست نہیں اور قریش ہی خلافت کے صحیح حقدار ہیں۔ اس تقریر کے ختم ہونے پر انصارؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "یہ عمرؓ اور ابُوعبیدہؓ موجُود ہیں۔ ان میں سے جس کو تم لوگ پسند کرو، اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔" اس پر ان ہر دو حضراتؓ نے کہا کہ "آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غار میں رسُول اللہؐ کے ساتھی اور نماز پڑھانے میں اُن کے قائم مقام رہے ہیں۔ نماز وہ شئے ہے جو دین کے کاموں میں سب سے افضل ہے۔ آپ کے ہوتے ہُوئے دوسرا کون خلافت کا حق دار ہو سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر سب سے پہلے حضرت عمرؓ بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد ابُوعبیدہؓ اور بشیرؓ بن سعد نے بیعت کی۔ حضرت

عبدالرحمنؓ اور حضرت عثمانؓ نے ان کی پیروی کی۔
سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے اگلے روز مسجد نبویؐ میں مسلمان جمع ہوئے اور حضرت عمرؓ کے اصرار پر جناب صدیقؓ منبر کے نچلے درجے پر بیٹھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور فرمایا کہ "اے مسلمانو! کیا تم نہیں جانتے کہ ابوبکرؓ غار میں رسولُ اللہ کے ساتھی تھے۔ پس وہ تم پر حکومت کرنے کے لیے سب مسلمانوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ لوگو! اُٹھو اور ابوبکرؓ سے بیعت کرو۔"
اس پر سب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعتِ عام کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

"لوگو! قسم ہے اللہ کی نہ میں کبھی امارت کا خواہاں تھا نہ اُس کی طرف مجھے رغبت تھی۔ اور نہ کبھی میں نے خفیہ یا ظاہرا اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا کی۔ لیکن مجھے خوف ہُوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ اِس لیے اس بوجھ کو اُٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ورنہ مجھے امارت میں

کوئی راحت نہیں۔ بلکہ یہ ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور اللہ کی مدد کے بغیر یہ فرض پورا نہیں ہو سکتا۔ کاش میری بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اِس بوجھ کو اُٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔

مجھے تم نے امیر بنایا۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھّا کام کروں تو مجھے مدد دینا اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرنا۔

تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اُس کا حق دلواؤں اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اُس سے حق لے لوں۔

جب تک میں اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کروں، تم میری اطاعت کرو اور اگر اُن کے خلاف کروں تو میرا

ساتھ چھوڑ دو۔"

ہر بڑے آدمی میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ایسی ہوتی ہے جو اُسے دُوسروں سے ممتاز رکھتی ہے۔ حضرتِ صدّیق رضؓ کی دو صفتیں خاص طور پر بہت نمایاں ہیں۔ ایک تو ارادے کی پختگی اور دُوسرے دِل کی نرمی۔

ارادے کی پُختگی ۔ کے یہ معنی ہیں کہ جو مہم پیش آئے۔ اس میں جہاں تک ہو سکے دوسرے دوستوں سے رائے اور مشورہ لے اور جب ایک راہ مقرّر کر لی جائے تو اس پر چل پڑے اور کوئی مُشکل سے مشکل رکاوٹ بھی اس کے راستے میں حائل ہو تو اُس کو روندتا ہوا چلا جائے۔ یہ صفت حضرت ابوبکر رضؓ میں خاص طور پر موجود تھی۔ دل کی نرمی اس کو کہتے ہیں کہ انسان کے دِل میں درد ہو اور کسی دُوسرے اِنسان کی تکلیف کو دیکھ کر بے قرار ہو جائے۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے ارادے کی پُختگی کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات سے کچھ عرصہ اُسامہ رضؓ کی سرکردگی

میں ایک لشکر تیار کیا۔ لیکن عین کوچ کے وقت آنحضرت صلعم بیمار ہو گئے۔ جس کے باعث فوج کو رکنا پڑا۔ حضور صلعم کے انتقال کے فوراً بعد ہی عرب کے قبائل بھی بگڑنے لگے۔ بعض اسلام سے پھر گئے اور اکثر نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ کئی جھوٹے نبی بھی پیدا ہو گئے۔ غرضیکہ ملک کے اندر گڑ بڑ کی صورت پیدا ہو گئی۔ بعض لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضہ اسامہ رضہ کو فوج دے کر بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ اپنے ہی ملک میں اکثر مسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جا رہے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس فوج کو باہر نہ بھیجا جائے۔" لیکن حضرت ابو بکر رضہ نے انکار کیا اور فرمایا:۔

"خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر ہوتا کہ مجھے درندے کھا جائیں گے تو بھی میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ کرتا اور لشکر کو روانہ کر دیتا۔ خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی نہ رہ

جائے پھر بھی میں اس لشکر کو روانہ
کروں گا۔"

اُس وقت حضرت اُسامہؓ کی عمر صرف اُنیس سال تھی۔ آپ زیدؓ بن حارث غلام کے بیٹے تھے۔ حضرت عمرؓ اور بعض دُوسرے صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ اُسامہؓ کی بجائے کسی معزز اور سن رسیدہ شخص کو امیر مقرر کیا جائے۔ یہ سُن کر حضرت ابُو بکرؓ غصّے سے بے تاب ہو گئے اور فرمایا۔ خُدا تمھیں ہلاک کرے۔ تم مجُھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ جس شخص کو آقائے دوجہاںؐ نے امیر مقرر کیا ہو اُس کو معزُول کر دُوں۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔"

جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدّیقؓ (ان) ایک غلام زادے کی رکاب تھامے ہُوئے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے اور ہدایتیں فرما رہے تھے۔ اُسامہؓ نے کہا کہ "آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجُھے اُترنے کی اجازت دیں۔" حضرت صدیقؓ نے جواب میں فرمایا کہ "میں نہ خود سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دُوں گا۔"

جناب صدیق رضؓ نے حضرت اُسامہؓ کو ہدایات دینے کے بعد لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ" ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا :-

(۱) خیانت نہ کرنا۔
(۲) دھوکے بازی نہ کرنا۔
(۳) امیر لشکر کی نافرمانی نہ کرنا۔
(۴) کسی کے اعضا مت کاٹنا۔
(۵) بچّوں، بُڈھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔
(۶) کھجور یا کسی میوہ دار درخت کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا۔
(۷) بکری، گائے اور اُونٹ کو بلا ضرورت نہ مارنا۔
(۸) گوشہ نشینوں کو اُن کے حال پر چھوڑنا۔
(۹) قیمتی برتنوں میں تمہارے سامنے کھانے آئیں گے اُن کو خُدا کا نام لے کر کھانا "

اس کے بعد فرمایا کہ " جاؤ اب خُدا کے بھروسے پر روانہ ہو جاؤ۔ خُدا تم کو دشمنوں اور طاعون کی بیماری سے محفوظ رکھے "

اِس لشکر میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اُسامہؓ سے درخواست کی کہ" اگر مناسب سمجھو تو عمرؓ کو میری مدد کے لیے

چھوڑ جاؤ۔" چنانچہ اسامہؓ نے اس کی اجازت دے دی۔ لشکر روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد کامیاب ہو کر واپس لوٹا۔ جو صحابی اس لشکر کے بھیجنے کے حق میں نہ تھے انھیں اب محسوس ہوا کہ ارشادِ نبویؐ کی تعمیل سے انھیں کیا فائدے پہنچے۔ اسامہؓ نے جنگِ مُوتہ کے شہیدوں کا بدلہ لیا اور کُفّار کو زبردست شکست دی۔ مُرتدین پر بھی جو شورش پر تلے ہوئے تھے اس لشکر کی کامیابی کا بہت اچّھا اثر ہوا۔ انھوں نے جان لیا کہ ابھی مسلمانوں میں طاقت اور قوّت باقی ہے۔ اُن کے مقابلے میں کامیاب ہونا آسان نہیں۔

حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے خلیفہ مقرّر ہوتے ہی انھیں ان لوگوں سے نپٹنا پڑا، جو دُور دراز علاقوں میں مسلمان تو ہو چکے تھے۔ لیکن جب انھیں آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر پہنچی تو انھوں نے خیال کیا کہ ان پر مذہب کی پابندی کی چنداں ضرورت نہیں۔ سب سے زیادہ انھیں زکوٰۃ دینا دوبھر ہو رہا تھا۔ جنابِ صدّیقؓ کی خدمت میں مختلف قبیلوں سے کئی وفد بھی محض اسی غرض سے

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ باقی ارکانِ اسلام بیشک ایسے ہی رہیں۔ صحابہؓ اور خود حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ تھا کہ "لوگوں سے نرمی کی جائے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی بات سن کر فرمایا۔ عمرؓ! جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے کیا اسلام میں آ کر ذلیل ہو گئے ہو؟ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا۔ میری زندگی میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ خدا کی قسم! اگر زکوٰۃ میں کسی کے ذمے رسّی کا ایک ٹکڑا بھی نکلا اور اس نے دینے سے انکار کیا تو جہاد کا حکم دے دوں گا"۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ جواب سُن کر مجھے معلوم ہُوا کہ ابوبکرؓ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لیے کھول دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ قبائل کے جو قاصد آئے تھے، ناکام واپس لوٹے۔

حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ایک زبردست لشکر تیار کیا اور مدینہ منوّرہ سے باہر نکل کر لشکر کو گیارہ حصّوں میں تقسیم کر کے بڑے بڑے بہادروں کو ان کا سردار مقرّر کیا اور انھیں مختلف مرتد قبیلوں کو سیدھے راستے پر لانے کے

لیے بھیجا۔ اس کے بعد مرتدین کے نام ایک اعلان جاری کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"مجھ کو تم لوگوں میں سے اُن کا حال معلوم ہوُا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا، اور شیطان کے فریب میں آگئے۔ حالانکہ وہ انسان کا دُشمن ہے ۔ میں تمھارے پاس فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ وہ تم کو اللہ کی طرف بُلائے گا۔ جو اس کی بات کو مان لے گا اور نیک کام کرے گا تو اُس کو نہ قتل کرے گا اور نہ اُس سے لڑے گا اور جو باز نہ آئے گا اس کے اُوپر تلوار اُٹھائے گا اور کسی سے بجُز اِسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا۔

میں نے اپنے قاصد کو حکم دے دیا ہے کہ میرے اِس نوشتہ کو تمھارے مجمع عام میں سُنا دے اور نشانی یہ مقرّر کی

ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان پکاریں،
ان سے ہاتھ روک لیا جائے۔"

یہ گیارہ اسلامی جانبازوں کے دستے سارے عرب میں پھیل گئے اور آٹھ نو مہینوں میں ہی بے دینی کی جگہ اسلام اور بغاوت کی بجائے امن قائم کر دیا اور زکوٰۃ کا روپیہ باقاعدہ وصول ہونے لگا۔

اس کے علاوہ کئی جھوٹے نبی بھی پیدا ہو چکے تھے۔ ان میں سے طلیحہ بن اسد اور مسیلمہ کذّاب دو شخصوں نے بہت زور پکڑ لیا تھا۔ طلیحہ کے ساتھ ایک زبردست گروہ مل گیا تھا۔ جن میں قبیلہ طے کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ مگر حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدیؓ کے سمجھانے بجھانے سے بنی طے پھر اسلام لے آئے۔ اسی طرح حضرت عدیؓ کی کوشش سے قبیلۂ جدیلہ کے لوگ طلیحہ کو چھوڑ کر حضرت خالدؓ کی فوج سے آن ملے۔ جس سے اسلامی فوج کو بہت تقویت ملی۔ حضرت عدیؓ کی اس کارکردگی پر انھیں "بہترین فرزند" کا خطاب دیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے طلیحہ کو زبردست شکست دی۔

دُوسری طرف یمامہ کے قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار مُسیلمہ نے نبوّت کا دعوٰی کر دیا اور مشہور کیا کہ خود آنحضرتؐ نے مجھ کو نبوّت میں شریک بنایا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس کی سرکوبی کے لیے یکے بعد دیگرے عکرمہؓ اور شرجیلؓ کی سرکردگی میں دو فوجیں بھیجیں اور یہ حُکم دیا کہ جب یہ دونوں فوجیں آپس میں مل جائیں تو حملہ کیا جائے۔ لیکن عکرمہؓ نے اس خیال سے کہ کامیابی کا سہرا اُسے ہی نصیب ہو، شرجیلؓ کا انتظار کیے بغیر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ جناب صدیقؓ بہت برہم ہوئے اور حضرت خالدؓ کو جو ابھی ایک دُوسری جنگ سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ بنی حنیفہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔

مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کے قریب فوج تھی۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ ہولناک جنگ ہوئی۔ بنی حنیفہ بہادری سے لڑے لیکن مسیلمہ کی ہلاکت نے یکایک جنگ کا رُخ پلٹ دیا اور بنی حنیفہ شکست کھا کر بھاگ گے۔ لشکرِ اسلام فتح یاب ہو کر واپس لوٹا۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں بھی ملک

عرب میں اِرتداد کی شورش تھی، اُسے نو ماہ کی قلیل مدّت میں فرو کر کے امن و امان بحال کر دیا گیا۔ اِس کارنامے سے نہ صرف حضرت صدّیق رضؓ کے عزم کا پتہ چلتا ہے بلکہ اُن کے فوجی نظام کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

عرب میں کامل امن و امان قائم کرنے کے بعد جناب صدیقؓ نے اپنے سپہ سالار اعظم حضرت خالدؓ بن ولید کو ایران پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی تاکید کر دی کہ صرف ان مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے جائیں جو اِرتداد سے بچ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے خلیفہ وقت کا حکم پہنچتے ہی سرحد عراق کے فرماں روا ہرمز کو لکھا کہ" دین اسلام قبول کرو یا ذمّی بن کر جزیہ ادا کرو۔ ورنہ سوائے اپنے کسی کو ملامت نہ کرنا۔ کیونکہ میں ایک ایسی قوم کو تمھارے مقابلے میں لا رہا ہوں جو موت کو اُتنا ہی عزیز رکھتی ہے جتنا تم زندگی کو۔

ہرمز نے حضرت خالدؓ کی آمد کی اطّلاع شہنشاہ ایران کو دی اور خود فوجیں لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلا۔ لیکن حضرت خالدؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ اس فتح سے بہت خوش ہوئے اور ہُرمز کا تاج جو ایک ہزار درہم کا تھا، حضرت خالدؓ کو بخش دیا۔ اِس سے اسلامی فوج کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ اسلامی لشکر سیلاب کی طرح بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ دربارِ ایران کی طرف سے قارون ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ لیکن بہت بُری طرح شکست کھائی۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ اس شکست کی خبر سُن کر شہنشاہِ ایران نے ایک بہت ہی زبردست فوج بھیجی۔ جس میں ایران کے نامی گرامی سپہ سالار بھی تھے۔ مگر وہ بھی شکست کھا کے بھاگے۔

حضرت خالدؓ کی فتوحات کی دھاک بندھ گئی۔ اور تمام قبائل خود بخود مطیع ہوتے گئے۔ جزیے مقرّر ہوئے اور عہدنامے لکھے گئے۔ حضرت خالدؓ نے اِردگرد کے عراقی قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں امن و امان قائم کر کے اپنے حاکم مقرّر کر دیئے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شام کے غسّانی بادشاہ کو دعوتِ اسلام بھیجی لیکن اُس نے

قاصد کو شہید کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اُس کو سزا دینے کے لیے مدینہ سے تین ہزار فوج بھیجی۔ کفّار ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ حضرت زید بن حارثؓ اور جعفر طیارؓ وغیرہ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس سے کفّار کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ انہی کی سرکوبی کے لیے آنحضرتؐ نے حضرت اُسامہؓ کی قیادت میں ایک فوج ترتیب دی۔ لیکن آنحضرتؐ کی بیماری کے باعث یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا۔ حضرت اُسامہؓ نے اگرچہ کامیابی حاصل کی لیکن اس کے باوجود رُومیوں کے مدینہ منوّرہ پر حملہ کا خطرہ ہر آن موجُود تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے چار جانباز سپہ سالاروں، یعنی عمروؓ بن عاص، زیدؓ بن ابُوسفیان، ابُو عبیدہؓ بن الجراح اور شرجیلؓ بن حسنہ کو ایک ایک فوج کا کمانڈر مقرّر کر کے ان کی روانگی کے راستے مقرّر کر دیئے۔ اِن چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ ۳۶ ہزار فوج تھی۔

جب رُومیوں کو اِسلامی فوج کی آمد کا پتہ چلا تو اُنھوں نے شہنشاہِ رُوم ہرقل سے مدد چاہی

اسلامی فوجیں یرموک کے مقام پر آپس میں مل گئیں۔ ہرقل نے اُن کے مقابلے کے لیے دو لاکھ چالیس ہزار رُومی بہادر بھیجے۔

رُومیوں نے جہاں ڈیرے ڈالے، اس کے ایک طرف دریا اور پُشت کی جانب پہاڑ تھے۔ یہ محفوظ مقام اُنھوں نے اس لیے پسند کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ اسلامی فوج نے بھی یرموک سے بڑھ کر اُن کے سامنے مورچہ قائم کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رُومی فوج بالکل گھِر گئی۔ مسلمان فوج تین مہینے تک اسی طرح ڈیرے ڈالے پڑی رہی۔ آخر اُنھوں نے دربارِ خلافت سے اِمداد طلب کی تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضرت خالد رض کو جو عراق اور ایران میں فتح کے ڈنکے بجاتے بڑھتے چلے جاتے تھے، حکم دیا کہ شام جا کر مسلمانوں کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رض دس ہزار فوج کے ساتھ شام میں اسلامی فوج سے جا ملے۔

حضرت خالد رض نے اسلامی فوج کو اس طریق پر ترتیب دیا کہ اس سے پہلے عربی فوج کبھی

اِس طرح مرتّب نہ کی گئی تھی۔ انھوں نے سارے لشکر کو ۳۸ دستوں میں تقسیم کیا۔ ۱۸ دستے قلب میں رکھے اور ابُوعبیدہ رض کو اُن کا سردار مقرّر کیا۔ عمرو رض بن عاص کی سرداری میں دس دستے داہنے بازو پر، اور یزید رض بن ابُوسفیان کی قیادت میں دس دستے بائیں بازو پر متعیّن کیے۔

رُومیوں نے بھی مسلمانوں کے مقابلے میں بڑی شان و شوکت سے صف بندی کی اور میدانِ کارزار گرم ہوا۔ رُومی اگرچہ بڑے بہادر تھے مگر مسلمانوں نے جس ہمّت و استقلال کا ثبوت دیا، وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مسلمان خواتین نے بھی اس جنگ میں نمایاں حِصّہ لیا اور بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ لڑائی دن اور رات بھر ہوتی رہی۔ آخر رومیوں کے پاؤں اُکھڑے اور وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگے۔ ہرقل کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اُس نے کہا کہ "اے ملک شام! تجھ کو یہ میرا آخری سلام ہے۔"

دُورانِ جنگ میں ہی مدینہ منوّرہ سے یہ رُوح فرسا خبر موصول ہوئی کہ حضرت صدّیق اکبر رض

انتقال فرما گئے ہیں اور حضرت عمرؓ ان کی بجائے خلیفہ مقرّر ہوئے ہیں۔

۷ر جمادیُ الثّانی سنہ ۱۳ھ کے روز حضرت صدّیق اکبرؓ نے غسل فرمایا تو سرد ہوا چل رہی تھی۔ سردی کی وجہ سے بخار ہو گیا جو دو ہفتہ تک رہا۔ بخار کی شدّت دِن بدن بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مسجد میں آنے سے معذور ہو گئے اور امامت حضرت عمرؓ کے سپُرد کر دی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ زندگی کی اُمید نہیں رہی تو صحابہؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرّر کیا۔

وفات سے کچھ روز پہلے ایک دن اپنے کوٹھے کی چھت پر جو مسجد نبویؐ کے پاس تھا، تشریف لے گئے۔ نیچے لوگوں کا مجمع تھا۔ آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"جس کو میں جانشین مقرّر کروں۔ اُس کو تم پسند کرو گے؟ خُدا کی قسم میں نے بہت غور کیا ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو بھی تجویز نہیں کیا۔ میں عمرؓ بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرّر کرتا ہوں۔ پس میرا

کہنا سنو اور مان لو۔"

آپ کی تقریر سُن کر سب نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد آپ نیچے اُترے اور حضرت عثمانؓ کو اس معاہدہ کی تحریر کا حکم دیا۔ زاں بعد حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا اور جو کچھ سمجھانا تھا، سمجھایا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر اپنی بریّت اور جناب عمرؓ کے حق میں دُعا کی اور فرمایا:۔

"اے عمر! یاد رکھو، کوئی مصیبت یا تکلیف تم کو دین کی خدمت سے نہ روکے۔ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت آسکتی ہے؟ تاہم خُدا کی قسم! اگر میں اُس دن اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی غفلت کرتا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تباہ کر دیتا اور مدینہ میں وہ آگ بھڑکتی جو کسی کے بُجھائے نہ بُجھتی۔"

پھر اپنے وظیفے کا حساب کیا تو معلوم ہُوا کہ بیتُ المال کا کچھ روپیہ آپ کے ذمّے ہے۔ حکم ہُوا کہ میری زمین بیچ کر قرضہ ادا کیا جائے۔

وفات کا وقت قریب تھا کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے دریافت فرمایا کہ آنحضرتؐ کو کتنے کپڑوں میں دفنایا گیا تھا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "تین میں۔" تو حکم دیا کہ "مجھے بھی تین کپڑے کا کفن دینا۔ دو چادریں جو میرے اُوپر ہیں اُن کو دھو لینا اور ایک نئی لے لینا۔" حضرت عائشہ رضؓ بولیں کہ "کیا ہم نیا کپڑا نہیں خرید سکتے؟" فرمایا۔ "اَے لختِ جگر! نئے کپڑے زندوں کے لیے زیادہ درکار ہیں۔" پھر کہا۔ "کیا آج دوشنبہ نہیں؟" جب آپ کو بتایا گیا کہ آج دوشنبہ ہی ہے تو فرمایا کہ "رسولُ اللہؐ نے بھی اسی روز وفات پائی تھی۔"

آخر آپ یہ کہتے ہُوئے کہ "اے اللہ! میری موت اِسلام پر ہو اور مجھے صالحین سے ملانا۔" ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست سنہ ۶۳۴ء بروز دوشنبہ مغرب اور عشا کے درمیان ۶۳ سال کی عمر میں اس دُنیا سے چل بسے۔ حضرت عمر رضؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنابِ عائشہ صدّیقہ رضؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہلو میں دفن ہُوئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّآ اِلَیہِ رٰجِعُوْنَ ط آپ نے دو

سال تین ماہ دس روز تک خلافت کا کام نہایت حُسن اور خوبی سے چلایا۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں کل عرب کو دس حِصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حِصّہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک امیر مقدّمات کے فیصلے اور شرعی احکام کے اجرا کے لیے مقرّر تھا۔ وہی امیر اور وہی قاضی ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کسی کو وزیر نہیں بنایا تھا۔ صرف حضرت عمرؓ ان کے مشیر تھے اور مقدّمات کے فیصلے بھی کرتے تھے۔ حضرت اُبوعبیدہؓ جب تک شام کی مہم پر نہیں بھیجے گئے تھے، بیتُ المال کے نگران رہے۔ احکام حضرت زیدؓ بن ثابت لکھا کرتے تھے اور خطوط اور حالات حضرت عثمانؓ یا جو کوئی حاضر ہو۔

حضرت صدّیق اکبرؓ قرآن اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ تقریر میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ چنانچہ نماز جمعہ سے پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اُس کے اثر سے حاضرین پر ہمیشہ خاص کیفیّت طاری ہو جاتی تھی۔ مسائل کے باریک نکتے نہایت

آسانی سے لوگوں کو سمجھا دیا کرتے تھے۔

قرآن اور حدیث جمع کرنے کا خیال سب سے پہلے آپ ہی کو آیا۔ چنانچہ آپ ہی کے عہد میں نہایت تحقیق کے ساتھ قرآن لکھا گیا اور پانچ سو حدیثیں جمع کیں لیکن موت سے کچھ دن پہلے احتیاط کے خیال سے احادیث کے اس مجموعے کو اپنے سامنے ضائع کروا دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رنگ زردی مائل سفید ور جسم دُبلا پتلا تھا۔ پیشانی بلند، آنکھیں اندر کو ھنسی ہوئیں اور رُخساروں پر گوشت بہت کم تھا۔ چہرے پر اکثر پسینہ آتا رہتا تھا اور بالوں میں ہندی لگاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ بڑے پرہیزگار اور سخی تھے۔ سلام اور مسلمانوں کی خدمت اور بہتری کے لیے پنی جائداد کی آخری چیز تک بخوشی قربان کر دی۔ اپنی یہ حالت تھی کہ چُغے میں بٹنوں کی جگہ کیکر کے کانٹے ٹانک کر گزارہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "میں نے ہر شخص کے اِحسان کا بدلہ دُنیا میں ادا

کر دیا لیکن ابُوبکر کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کا صلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ دے گا"

وعدہ پُورا کرنے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اُنھیں ایسا عشق تھا کہ آپؐ کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے دُنیا کے کاروبار کی کبھی پروا نہ کرتے تھے اور ہر ایک نیک کام میں دوسروں پر سبقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تقویٰ، زہد، عقل اور متانت میں بھی وہ ممتاز تھے۔

خلافت سے پیشتر آپ مدینہ کے ہمسایوں کی بکریاں تک چرا لایا کرتے تھے اور دُودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو اُن لوگوں نے کہا کہ "کیا اب آپ ہمارے کام نہ کیا کریں گے؟" تو جواب دیا کہ "ضرور کروں گا" چنانچہ خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی لوگوں سے دریافت کیا کرتے کہ "بکریاں چرانی ہیں یا دُودھ دوہنا ہے؟" محلّہ بھر کا سودا سلف خود ہی لا کر دیا کرتے تھے۔ روزی کا یہ حال تھا کہ خلافت کے پہلے چھ ماہ تک کپڑوں کی گٹھڑیاں کندھوں پر اُٹھا

کر گلیوں اور بازاروں میں بیچا کرتے تھے۔ لیکن جب خلافت کے کاموں کی مصروفیت کے باعث یہ کام بھی چھوڑ دینا پڑا تو بہت قلیل وظیفہ بیت المال سے لینا شروع کیا۔

ایک موقع پر ایک بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ فرمایا: "بیتُ المال اس غرض کے لیے نہیں۔" ان بی بی نے روزانہ خرچ سے کچھ بچا کر چند روز بعد وہی شیرینی منگوائی۔ جناب صدّیقؓ کے دریافت کرنے پر جب اُنھیں معلوم ہوا کہ اس قدر رقم کی بچت ہو سکتی ہے تو بیتُ المال سے اپنا وظیفہ کم کرا لیا۔

اِنھیں فضائل کی وجہ سے جناب صدّیق اکبرؓ اُمّتِ محمّدیہؐ کے تمام لوگوں بلکہ انبیاء کے بعد کل بنی نوعِ انسان سے افضل تسلیم کیے گئے۔

دُوسرے خلیفہ

حضرت عُمر فارُوق رَضِیَ اللّٰہ عَنہُ

حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے اور زندگی کی اُمّید باقی نہ رہی تو اس خیال سے کہ میرے بعد خلافت کے لیے مسلمانوں میں جھگڑے نہ ہوں۔ اُنھوں نے یہی بہتر جانا کہ کسی کو اپنی جگہ خلیفہ مقرر کر دینا چاہیئے۔ آپ اگرچہ حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی کو اس منصب کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ پھر بھی آپ نے ممتاز صحابہؓ سے مشورہ لینا ضروری خیال کیا۔

سب سے پہلے ایک صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو طلب کر کے حضرت عمرؓ کے متعلّق ان کی رائے دریافت کی۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ "میں عمرؓ کو سب سے زیادہ اس منصب کا اہل خیال کرتا ہوں لیکن ان کے مزاج میں سختی بہت ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "مجھ کو نرم دیکھ کر سختی کرتے ہیں۔ اگر خلیفہ ہو گئے تو یہ سختی خود بخود دُور ہو جائے گی۔" پھر

حضرت عثمانؓ کو بُلا کر پُوچھا تو اُنھوں نے جواب میں کہا کہ "جہاں تک میں جانتا ہُوں، اُن کا باطن اُن کے ظاہر سے اچھّا ہے اور ہم میں سے کوئی شخص ان کے برابر نہیں۔" ان کے علاوہ اور صحابہؓ سے مشورہ کر کے یہی طے پایا کہ حضرت عمر فاروقؓ ہی جنابِ صدّیقؓ کے جانشین ہوں گے۔

اب اس امر کی ضرورت تھی کہ عوام سے بھی پُوچھ لیا جائے۔ چنانچہ ایک روز جبکہ آپ کے مکان کے پاس صحابہؓ جمع تھے۔ حضرت صدّیق اکبرؓ ایک آدمی کے سہارے چھت پر تشریف لے گئے اور ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنانے کی تجویز پیش کی اور فرمایا کہ "یہ فیصلہ میں نے بہت غور و خوض کے بعد کیا ہے۔" چنانچہ سب لوگوں نے اس تجویز کو پسند کر کے اس کی حمایت کی اور حضرت عثمانؓ سے مندرجۂ ذیل عہد نامہ لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ابوبکرؓ بن قحافہ کی زندگی کا آخری عہد نامہ ہے۔ جب کہ وہ دُنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی

پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقیدت مند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے واسطے عمرؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ لہٰذا ان کی بات مانو اور اُن کی اطاعت کرو۔ اِس امر میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت نیز اپنی ذات اور خود تمہاری بہتری کی میں نے پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں تو اُن کی نسبت میرا یہی گمان اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ میری نیّت خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب نہیں جانتا۔

پھر حضرت عمرؓ کو نصیحتیں اور ہدایتیں کیں اور اُن کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔ حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے اگلے روز یعنی ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۳ر اگست ۶۳۴ء بروز سہ شنبہ آپ کی خلافت کی ابتدا ہوئی۔

جناب ابوبکرؓ کی طرح حضرت فاروق اعظمؓ بھی قبیلۂ قریش سے تھے اور ساتویں پُشت میں ان کا سلسلۂ نسب بھی سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جا ملتا ہے۔ آپ کی خاندانی وجاہت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب جناب محبُوبِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دادا عبدُالمطلب اور حرب بن اُمیّہ میں قریش کی سرداری کا جھگڑا پیدا ہوُا تو دونوں فریقوں نے حضرت عمرؓ کے دادا فضیل کو ثالث مقرّر کیا اور فضیل نے عبدُالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا۔ آپ کی والدہ کا نام غنمنہ بنت ہشّام ابن المغیرہ مخزومی تھا۔ مغیرہ اس قدر ممتاز تھے کہ جب قبیلہ قریش کو کسی سے لڑائی پیش آتی تو فوج کا جملہ انتظام انہی کے سپُرد ہوُا کرتا تھا۔ اس طرح جناب فاروق اعظمؓ دودھیال اور ننھیال دونوں طرف سے قریش کے معزّز خاندانوں کے چراغ تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت عمرؓ پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش پر حسبِ معمول قریش میں بہت خوشیاں

منائی گئیں۔ آپ کا اصلی نام عمر اور لقب فاروق تھا۔ جو آنحضرتؐ نے انھیں عنایت کیا تھا۔

حضرت عمرؓ جوان ہُوئے تو نسب دانی کا فن اپنے باپ خطّاب سے سیکھا۔ پہلوانی میں یہ کمال حاصل کیا کہ عکاظ کے سالانہ میلوں میں جہاں ہر قسم کے کمالات کی نمائش ہوا کرتی تھی، آپ دنگل لڑا کرتے تھے۔ بڑے اچھے شہسوار بھی تھے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق تعلیم بھی حاصل کی۔ شعر پڑھنے کا آپ کو بہت شوق تھا اور عرب کے چیدہ چیدہ شاعروں کا کلام آپ کو یاد تھا۔

حضرت عمرؓ کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی تھا اور اس غرض کے لیے آپ کو عرب سے باہر دُوسرے ملکوں میں بھی جانا پڑا۔ قریش کو جب کبھی کہیں سفیر بھیجنے کی ضرورت پیش آتی۔ تو یہ خدمت حضرت عمرؓ ہی کے سپرد کی جاتی۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عمرؓ کا بھی وہی مذہب تھا، جو دُوسرے اہلِ مکّہ کا تھا۔ لیکن اِس نیک فطرت نے اس زمانے میں بھی نہ کبھی شراب کو پسند کیا اور نہ دوسری بے ہودہ

رسموں میں حصّہ لیا۔ تاہم مزاج میں جلال بہت تھا۔ اگرچہ یہ آنحضرتؐ کی مخالفت میں کبھی لیڈر تو نہ بنے لیکن جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، اُن پر بہت سختیاں کرتے تھے۔ ان سختیوں کو دیکھ کر ہی آنحضرتؐ نے بارگاہِ ایزدی میں دُعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! عمرو بن ہشّام (ابو جہل) اور عمرؓ بن خطّاب میں سے کسی ایک سے اسلام کو قوّت و شوکت عطا فرما۔" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو قوم پر حضرت عمرؓ کا دبدبہ ابوجہل سے کم نہ تھا، اور دُوسرے یہ بھی مسلمانوں سے اچّھا سلوک نہ کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی عمر ستائیس سال کی تھی کہ جناب رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی نبوّت کا اعلان کر کے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ حضرت عمرؓ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے چچا زاد بھائی زید کے بیٹے سعدؓ نے اِسلام قبول کیا اور اُن کی شادی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہؓ سے ہوئی تھی۔ وہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اس سے بے خبر تھے۔ حضرت عمرؓ کی ایک

لونڈی لبینہ نے بھی اسلام قبول کیا تو اُس کو اِس قدر مارتے تھے کہ وہ لہُو لہُان ہو جاتی تھی۔ لیکن ان سختیوں کے باوجود دین اسلام میں روز بروز ترقّی ہوتی گئی۔ یہ دیکھ کر اُنھوں نے اپنے دل میں پُختہ ارادہ کر لیا کہ جا کر خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کر دیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اُس روز ارقم مخزومی کے مکان پر مقیم تھے۔ عمر تلوار لیے ہُوئے غصّے میں جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت نعیمؓ بن عبدُاللہ نے جو اسلام قبول کر چکے تھے، ملے، پُوچھا۔ "عمرؓ! کدھر جا رہے ہو؟" جواب دیا کہ "نئے نبیؐ کا قصّہ تمام کرنے۔" اُنھوں نے کہا: "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمھاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ تو اسی نبیؐ کے پیرو ہو گئے ہیں۔" حضرت عمرؓ غصّے میں بھرے ہوتے بہن کے مکان پر پہنچے۔ مکان کا دروازہ بند تھا اور بہن اور بہنوئی قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی آواز سُنی تو ان اوراق کو چُھپا کر دروازہ کھول دیا۔ اُنھوں نے آتے ہی بہن سے پُوچھا کہ "تم

یہ کیا پڑھ رہی تھیں؟ اُنھوں نے جواب دیا" کچھ نہیں" تو کہا" مجھے علم ہو چکا ہے کہ تم نے بزرگوں کے دین کو ترک کر کے محمدؐ کے دین کو اختیار کر لیا ہے" یہ کہہ کر بہنوئی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ جب بہن چھڑانے آئیں تو انھیں بھی اس قدر مارا کہ اُن کا سر پھٹ گیا۔ بہن نے چلّا کر کہا" عمر! جو دل میں آئے کرو۔ میں بے شک مسلمان ہو چکی ہوں۔ تم جان سے مار دو تو میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی"

بہن کی اِن باتوں کا حضرت عمرؓ کے دِل پر بہت اثر ہوا۔ کہنے لگے" وہ مجھے بھی دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے" اُنھوں نے کہا" پہلے نہا کر کپڑے بدلو۔ پھر اس مقدّس چیز کو ہاتھ لگانا" چنانچہ حضرت عمرؓ نے نہا کر کپڑے بدلے۔ حضرت فاطمہؓ نے سورہ طٰہٰ کے اوراق نکال کر اُن کے حوالے کیے تو وجد میں آ گئے اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ" واقعی یہ کسی بندے کا کلام نہیں"

حضرت عمرؓ وہاں سے اُٹھ کر سیدھے ارقم کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک

دی۔ اندر سے پُوچھا گیا کہ "کون ہے؟" جواب مِلا "عمرؓ" یہ سُن کر صحابہؓ ٹھٹک گئے کہ خُدا خیر کرے مگر حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ "دروازہ کھول دو۔ اگر اسلام قبول کرنے آیا ہے تو بسم اللہ۔ ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر اُڑا دیا جائے گا۔" دروازہ کھولا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آگے بڑھ کر کہا۔ "عمر! کب تک لڑتے رہو گے؟ آؤ مسلمان ہو جاؤ۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فوراً اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ پڑھ دیا، جس پر اس وقت نہ صرف حاضرین بلکہ خود آنحضرتؐ اس قدر خوش ہوئے کہ خود بخود زبانِ مبارک سے اللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ اسلام قبول کرنے کے وقت آپ کی عُمر تینتیس سال کی تھی اور یہ واقعہ نبوّت کے چھٹے سال میں ہوا۔ کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ "مسلمانوں کی تعداد کہاں تک پہنچ چکی ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "تم نے چالیس کا عدد پُورا کیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں میں ایک خاص طاقت و شوکت پیدا ہو گئی۔ اُنھوں نے علانیہ تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ خانہ کعبہ میں جہاں مسلمان جاتے خوف کھاتے تھے، نماز ہونے لگی جس سے قریش غضب ناک ہو گئے اور اُنھوں نے مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔

کفارِ مکّہ کی سختیوں سے تنگ آکر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان کافروں کے خوف سے چھُپ چھُپ کر مکّہ سے نکلتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ بیس مُسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں ہجرت کرتا ہوں۔ جس کو منظور ہو کہ اُس کی ماں اُس پر نوحہ کرے، وہ اس وادی میں آکر مجھُ کو روکے۔" مگر کسی مخالف کو سامنے جانے کی ہمّت نہ پڑی اور آپ بخیرّیت اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ مگر جب تک خود نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف نہ لے آئے، آپ مدینہ

سے دو تین میل ادھر قبا میں ہی ٹھہرے رہے۔ جب آنحضرتؐ وہاں تشریف لائے اور آنحضرتؐ نے وہاں قبا کے نام سے ایک مسجد بنوائی تو حضرت عمرؓ بھی اینٹ پتھر ڈھونے میں لگے رہے اور بعد میں عقیدت کے جوش میں خود ہی اُس میں جھاڑو بھی دیتے رہے۔

مدینہ پہنچنے پر حضرت عمرؓ حضرت عتبانؓ بن مالک انصاریؓ کے بھائی قرار دیئے گئے جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے۔ اب مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا لہٰذا اس معاملے پر غور ہونے لگا کہ مسلمانوں کو بُلانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ آنحضرتؐ نے سب کے سامنے اِس مسئلے کو پیش کیا۔ جس پر لوگوں نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی اس مجلس میں پہنچ گئے۔ اُنھوں نے مشورہ دیا کہ ایک آدمی بلند آواز سے اعلان کرنے پر مقرّر کر دیا جائے، اور اس طرح اذان کی صُورت قرار پائی۔ رسولُ اللہؐ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اُسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم ہُوا۔ حضرت عمرؓ کے لیے

یہ بات یقیناً فخر کے قابل ہے کہ اذان کا فیصلہ ان کی رائے کے موافق ہوا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کفّار سے جنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ حضرت عمرؓ نہ صرف اُن میں شریک ہوتے رہے بلکہ ایک ممتاز افسر کی حیثیت سے بڑے بڑے کارنامے بھی انجام دیئے۔ جنگ بدر میں قریش نے تمام [illegible] قبائل کو اکٹھا کر لیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کے رُعب کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے قبیلے عدی میں سے کوئی شخص بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوا۔ اِس جنگ میں حضرت عمرؓ بڑی بہادری سے لڑے۔ نیز جس شخص نے غزوہ بدر میں سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کیا وہ آپ کے غلام حضرت مہجعؓ تھے اور جو لوگ آپ کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ اُن میں اُن کا ماموں عاصی بن ہشّام بن مغیرہ بھی تھا۔

جنگِ اُحد میں جب رسُولِ خداؐ کے شہید ہونے کی افواہ اُڑی تو مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ صحابہؓ آنحضرتؐ کو تلاش کرنے نکلے۔ حضرت عمرؓ بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ جب آپ نے آنحضرتؐ

کو زندہ و سلامت پایا تو جان میں جان آئی۔

غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عمرؓ اگلی فوج کے سردار تھے۔ جس میں اُنھوں نے بہادری کے خوب ہی جوہر دکھائے۔ اس لڑائی میں عبد اللہ بن اُبی منافق نے مدینہ کے انصار کو آنحضرتؐ اور مہاجرین کے خلاف بھڑکا رکھا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لوگ مدینہ پہنچ جائیں تو اِن کے سب سے زیادہ عزیز کو (جس سے اس کی مراد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تھی) ذلیل کیا جائے گا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو اس قدر غصّہ آیا کہ اُنھوں نے آنحضرتؐ سے اس منافق کے قتل کی اجازت مانگی۔ مگر رحمۃٌ للعٰلمینؐ نے لُطف و کرم کی بنا پر منع فرما دیا۔

ہجرت کے چوتھے سال رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے پاس امداد کی غرض سے تشریف لے گئے۔ ایک دشمن نے چھت پر سے آپؐ پر ایک بھاری سِل گرانے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ جب آنحضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ واپس تشریف لے آئے اور یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا

حکم دیا۔ وہ خیبر میں جا ٹھہرے اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ادھر قریش نے موقع پاکر دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ یہ خبر سُن کر آنحضرتؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ جس کی حفاظت کے لیے ایک حصّے پر حضرت عمرؓ کو مقرّر کیا گیا۔ اُنھوں نے یہ کام نہایت عمدگی سے سرانجام دیا۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے کفّار پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ اس مقام پر اُنھوں نے نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد بھی بنائی تھی جو اب تک مسجدِ عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔

آنحضرتؐ نے جب کعبہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا تو ہتھیار لگائے بغیر روانہ ہو گئے، اور ہمراہیوں سے بھی فرمایا کہ "یہ کوئی لڑائی تو ہے نہیں، ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے۔" لیکن جب ذی الحلیفہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ "اگرچہ ہم جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر دشمنوں نے شرارت کی تو ہماری حالت خطرناک ہو جائے گی۔

اس لیے بہتر ہے کہ ہتھیار لے لیے جائیں۔" آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر ہتھیار منگوا لیے۔

حُدیبیہ پُہنچ کر جب معلوم ہوا کہ کفّار لڑائی پر آمادہ ہیں تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "میرے نزدیک حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر قریش کے پاس بھیجنا مناسب ہے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ بنو اُمیّہ میں سے ہیں اور ابُوسفیان وغیرہ قریش کے اکثر سردار ان کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔" آنحضرتؐ نے اس رائے کو بھی پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ ہی سفارت پر بھیجے گئے۔

جب حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہوئی تو مُسلمانوں کو شبہ ہوا کہ انُھیں کفّار نے شہید کر دیا ہے۔ اِس پر مُسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت میں حضرت عمرؓ سب سے پہلے تھے۔

جس وقت عہدنامہ لکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے ایک بہادر اور صاف دل مسلمان کی طرح آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ "کیا آپ اللہ کے سچّے رسُول

نہیں جو ایسی شرائط پر صلح کرتے ہیں۔" آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا۔" بیشک! میں اللہ کا رسول ہوں۔ چونکہ اس کا حکم یہی ہے۔ اس لیے میں اس کے خلاف نہیں کرتا۔" یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور عہدنامہ پر دستخط کر دیئے۔

نبی کریمؐ سے محبّت کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہؐ کے اس سوال و جواب کو گستاخی خیال کرتے ہوئے آپ نے کفّارہ کے طور پر غلام آزاد کیے۔ روزے رکھے اور صدقات دیئے۔ پھر بھی ہمیشہ نادم رہے۔

غزوۂ خیبر میں حضرت عمرؓ نے عظیمُ الشّان کارنامے انجام دیئے۔ جن کے صلے میں انھیں ثمغ نام ایک قطعۂ زمین عطا ہوا۔

جب کفّار نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی تو ابوسفیان آنحضرتؐ کی خدمت میں تجدید عہدنامہ کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ اور جناب عمر فاروقؓ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے ایسی سختی سے جواب دیا کہ وہ نااُمید ہو کر

واپس چلا گیا۔

فتح مکّہ کے بعد جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ و سلّم شہر میں داخل ہوئے تو کوہِ صفا پر خطبہ پڑھنے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو عورتوں سے بیعت لینے کے لیے ارشاد فرمایا۔

فتح مکّہ کے بعد مدینہ کی طرف لوٹتے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ مکّہ کے بھاگے ہوؤں اور قبائل ہوازن کے لوگوں نے اچانک مُسلمانوں کو آلیا۔ جس سے مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر انتہائی استقلال اور جرأت کا ثبوت دیا۔ آپ ذرا نہ گھبرائے۔ ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر جمے رہے اور مسلمانوں کو شرم دِلا کر واپس بُلاتے رہے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ اُن کے معتبر مشیر رہے اور شاید ہی کوئی ایسا کام ہو۔ جس میں آپ سے مشورہ نہ لیا گیا ہو۔ سب سے قابلِ ذکر کلام اللہ کا جمع کرکے محفوظ رکھنا ہے جو محض آپ کے مشورہ سے ہوا۔

آنحضرتؐ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت

نازل ہوتی تو سب لوگوں کو بترتیب زبانی یاد کرا دیتے۔ نیز کاتبوں سے لکھوا کر رکھ لیتے۔ فتنۂ ارتداد کو فرو کرنے کے سلسلے میں جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے کثیر التعداد حافظ شہید ہو گئے۔ جناب عمرؓ کو خیال ہوا کہ اگر اور غزوات میں باقی حافظ بھی شہید ہو گئے تو کلام اللہ کا محفوظ رہنا دشوار ہو جائے گا۔

شروع میں تو حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ کی تجویز سے متفق نہ ہوئے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد جب غور کرنے سے یہ تجویز اُنھیں بہتر معلوم ہوئی تو حضرت زیدؓ کاتب وحی کو اس کام پر مامور کر دیا۔ جنھوں نے بڑی محنت۔ تندہی اور خلوص سے اس کام کو انجام دیا۔

عہدِ خلافت

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد جب آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"عرب کی مثال اس اُونٹ کی ہے جو

اپنے ساربان کے مطیع ہو۔ اس کے رہنما
کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اُس
کو کس طرف لے جا رہا ہے ۔ میں
ربّ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم
کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔"

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں دین اسلام کو جو رونق ہوئی اور سلطنت کو وسعت ملی، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ نواحِ شام اور عراق تو خلیفۂ اوّل کے وقت میں فتح ہو چکے تھے۔ مگر شام، فلسطین، مصر، خوزستان، عراق، عجم، آذربائی جان، کرمان، سیستان، مکران، خراسان، حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں اسلامی جھنڈے کے ماتحت آئے۔ روما اور ایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو نیچا دیکھنا پڑا۔

حضرت صدّیق اکبرؓ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر جب لوگ حضرت عمرؓ کی بیعت کے لیے آنے لگے تو آپ نے پُرجوش تقریر میں انھیں جہاد کے لیے اُبھارا۔ لیکن ایران ایسی عظیم الشان سلطنت سے مقابلہ کا خیال ہی اوسان خطا کر دینے والا

تھا۔ اس لیے عربوں میں کچھ جنبش نہ ہوئی۔ اِس پر مثنیٰ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

" لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔
ہم نے ان کو آزما لیا ہے اور ہم ہر
بار اُن پر غالب رہے ہیں۔ اُن کے
زرخیز علاقے ہم نے چھین لیے ہیں"

اِس پر حضرت عمرؓ نے ایک نہایت پُرجوش خُطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اِس دین کو سارے دینوں پر غالب کر دے گا۔ خُدا کا وعدہ سچّا ہے مسلمان فتح پائیں گے"۔ اس تقریر نے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی اور ایک زبردست فوج ایران پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ چونکہ سب سے پہلے ابُو عبیدہ ثقفی نے آمادگی ظاہر کی تھی اِس لیے باوجود رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ و سلم کے صحابی نہ ہونے کے اِنھیں سردارِ لشکر بنایا گیا۔ مگر انھیں تاکید کر دی کہ چونکہ تمھارے ساتھ بہت سے صحابہؓ بھی ہیں۔ اس لیے انھیں مشوروں میں شریک رکھنا۔

اُس وقت ایران کے تخت پر ملکہ آزرمی دخت متمکّن تھی۔ اُس نے ایران کے بہت بڑے نامور سپہ سالار رُستم کو ایک لشکرِ جرّار کے ساتھ مُسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا۔ رُستم نے ملک کے چاروں طرف لوگوں کو بھیج کر اُن کی مذہبی اور قومی حمیّت کو جوش دلایا۔ جس پر وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایرانی علاقے جو مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے، اُن سے چھین لیے۔ لیکن اسلامی کمک کے پہنچتے ہی مسلمانوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔

ایران سے دو فوجیں فرسی اور جاپان کی سرکردگی میں روانہ ہوئیں۔ لیکن ابوعبیدہ رض نے آگے بڑھ کر اس شدّت سے حملہ کیا کہ ایرانی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ جاپان کو ایک معمولی عرب نے پکڑ لیا۔ جاپان نے اُس سے کہا کہ "میں بُڈھا آدمی ہُوں۔ اگر تم مجھے امان دے دو گے تو میں تمھیں دو جوان غلام دے دوں گا۔" اُس نے امان دے دی۔ بعد میں معلوم ہُوا کہ یہی ایرانی فوج کا سردار ہے تو اُسے پکڑ کر ابوعبیدہ کے پاس لے آئے

کہ اُس نے فریب سے امان لی ہے۔ ابُو عبیدہ نے کہا کہ جب ایک مسلمان اس کو پناہ دے چکا ہے تو اب بدعہدی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ اُس کو اُس کے خیمے تک بحفاظت پہنچا دیا گیا۔ اسی طرح فرس نے بھی بہت بُری طرح شکست کھائی۔

اِس شکست نے رُستم کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ چنانچہ بہمن جادویہ کو ایک زبردست فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا اور "درفش کاویانی" کا نشان جو ایرانیوں کے نزدیک بہت متبرّک خیال کیا جاتا تھا اور فریدوں کے وقت سے خزانہ میں بطور تبرّک بند تھا، عنایت کیا۔

دریائے فرات کے دونوں کناروں پر فوجیں جمع ہوئیں۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ "یا تو تم دریا کے اِس پار آجاؤ یا ہمیں دوسرے کنارے پر اترنے کا موقع دو۔" ابُو عبیدہ نے کہا کہ "ہم خود دُوسری طرف آ کر لڑیں گے۔" تمام صحابہؓ اور سردارانِ لشکر نے جن میں مثنیٰ بھی شامل تھے، اس کی مخالفت کی۔ لیکن ابوعبیدہ نہ مانے اور کشتیوں کا پُل بنوا کر پار اُتر گئے۔

ایرانیوں کے پاس بڑے بڑے دیو ہیکل ہاتھی تھے۔ جن پر بڑے بڑے گھنٹے لٹک رہے تھے۔ عرب گھوڑے اُنھیں دیکھ کر بدکے اور بے قابو ہونے لگے تو مسلمان گھوڑوں سے اُتر کر پیادہ ہو گئے اور ہاتھیوں کے ہودوں کی رسّیاں کاٹ دیں۔ ابو عبیدہ ثقفی رضؓ نے ایک بہت بڑے سفید ہاتھی پر تلوار سے حملہ کیا۔ جس نے غصّے میں آ کر انھیں روند ڈالا۔

مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ایک مسلمان نے اس خیال سے پُل کی رسیاں کاٹ دیں کہ مسلمان جم کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ رضؓ فولادی دیوار کی طرح ایرانیوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور نیا پُل بننے تک دشمن کو روکے رکھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا اور چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

جب یہ خبریں حضرت عمر رضؓ کو پہنچیں تو اُنھوں نے پے در پے فوجیں مثنیٰ رضؓ کی امداد کو بھیجنی شروع کیں۔ مثنیٰ رضؓ نے خود بھی عراق سے ایک زبردست لشکر تیار کیا اور بویب کے مقام پر ڈیرے ڈال

دیئے۔

اب کے رستم نے مہران کو مقابلے کے لیے بھیجا جس کے ساتھ ایران کی منتخب فوجیں تھیں اور خود بھی اُس نے عرب میں تربیت حاصل کی تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات موجیں مار رہا تھا۔ مہران نے بھی بہمن کی طرح مثنیٰ کو کہلا بھیجا کہ" یا تو تم دریا کے اس پار آ جاؤ یا ہم کو اس دُوسری طرف اُترنے کا موقع دو۔" مثنیٰ رضؓ نے جواب دیا۔" تم ہی اس طرف آ جاؤ۔ چنانچہ ایرانی دریا کو عبور کر کے صف آرا ہو گئے۔ خونریز جنگ ہوئی۔ دونوں طرف کے بہادر بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ مثنیٰ رضؓ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ مہران کے داہنے بازو پر حملہ کر دیا اور دباتے ہُوئے وسط میں جا پہنچے۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگے۔ مثنیٰ رضؓ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر ایرانی بدحواس ہو گئے۔ مسلمان تعاقب کر کے ان کو قتل کرتے چلے گئے۔ قبیلۂ تغلب کے ایک شخص نے مہران کو مار ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار

ہو کہ پکارا کہ میں نے عجمی سپہ سالار کو قتل کر دیا ہے۔

اس شکست سے ایران میں کہرام مچ گیا۔ مدائن میں ایرانی مدبّروں کا اجتماع ہوا اور ملکہ آزرمی دخت کو تخت سے اُتار کر یزد گرد کو تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا۔ ایران کے دو نامور سپہ سالار فیروز اور رستم جن کی آپس میں ناچاقی تھی۔ اس موقع پر متّحد ہو گئے۔ ایران کی ان تبدیلیوں کو دیکھ کر عراق کے سرحدی مرزبان جن کو مسلمان فتح کر چکے تھے، پھر باغی ہو گئے۔

یہ حالات سُن کر حضرت عمرؓ نے مثنیٰؓ کو لکھا کہ اپنی فوجوں کو جمع کر کے سرحدّ عرب کی طرف آجاؤ اور خود فوجی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ تمام قبائلِ عرب کو فرمان بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی بہادر شاہسوار، صاحب رائے، شاعر یا خطیب ہو اس کو فوراً میرے پاس بھیجو۔ اس حکم کی تعمیل میں قبائل عرب سے ایک انبوہِ کثیر مدینہ منوّرہ پہنچ گیا۔

حضرت عمرؓ نے ہراول میں حضرت طلحہؓ کو

داہنے بازو پر حضرت زبیرؓ کو اور بائیں بازو پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مقرّر فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ چاہتے تھے کہ اس فوج کو اپنی کمان میں ایرانیوں سے لڑائیں۔ اسی نیّت سے انھوں نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ لیکن اکثر مدبّر صحابہؓ نے اس کو پسند نہ کیا۔ لہٰذا سعدؓ بن ابی وقاص کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا گیا۔

حضرت سعدؓ کے پاس تیس ہزار فوج تھی۔ مقام زرود میں پہنچ کر اُس کے مختلف دستے بنائے گئے اور ان کے امیر مقرّر کیے گئے۔ شراف میں پہنچے تو دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ قادسیہ میں جا کر قیام کرو۔

قادسیہ پہنچ کر حضرت سعدؓ کو مثنیٰؓ کے انتقال کی خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ وصیت کر گئے ہیں کہ ایرانیوں سے جنگ ان کی سرحد پر کی جائے اور اپنا قیام سرحد عرب میں رکھا جائے تاکہ فتح ہو تو آگے بڑھتے چلے جائیں۔ ورنہ اپنے ملک میں محفوظ رہیں۔

حضرت عمرؓ برابر حضرت سعدؓ کو ہدایات بھیجتے رہے۔ جب یہ قادسیہ پہنچ گئے تو حکم ملا کہ سرزمین قادسیہ اور ایرانیوں کا حال لکھو۔

حضرت سعدؓ نے مفصّل حالات تحریر کیے اور لکھا کہ آرمینیا کا رئیس رُستم ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے، اور ساباط میں اپنی فوج لیے پڑا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمان بھیجا کہ "جنگ سے پہلے ایرانیوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے چند دانا اور عقلمند مسلمانوں کو دربارِ ایران میں بھیجو۔" اس کام کے لیے حضرت سعدؓ نے چودہ اشخاص کو منتخب کیا۔ جب دربارِ ایران میں اسلامی سفیروں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو شاہِ ایران نے ان کو مرعُوب کرنے کے لیے اپنے دربار کو عمدہ اور قیمتی سامان سے آراستہ کیا۔ مسلمان سفیر عربی طریق کے مطابق موزے پہنے اور ہاتھوں میں نیزے لیے بلا جھجک دربار میں داخل ہُوئے۔ اُن کی اس بے باکانہ روش کو دیکھ کر اہلِ دربار پر سنّاٹا چھا گیا۔

جب مسلمانوں سے پُوچھا گیا کہ تم ایران میں

کیوں گھس آئے ہو تو رئیس وفد نعمان بن مقرون نے ایک تمہیدی تقریر کے بعد کہا کہ "ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو۔ اگر اسلام لاؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمھارے حوالے کر دیں گے کہ اس کے احکام پر چلو۔ تم کو اور تمھارے ملک کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ ورنہ جزیہ دو۔ اس صورت میں تمھاری حفاظت ہمارے ذمّے ہو گی۔ اگر یہ دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو میدانِ جنگ اِس کا فیصلہ کر دے گا۔

عرب سفیر کی تقریر سے یزد گرد لال پیلا ہو رہا تھا۔ جب نعمان نے اپنی تقریر ختم کی تو اُس نے کہا۔" دُنیا میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور اور بدبخت نہ تھی۔ معمولی معمولی رئیس تمھاری شورشوں کو رفع کر دیا کرتے تھے۔ اب بھی باز آؤ اور چلے جاؤ۔ اگر تم نے مفلسی اور قحط کی وجہ سے یہ غارت گری شروع کی ہے تو ہم تمھاری امداد کر دیتے ہیں اور تم پر ایسا حکمران مقرّر کر دیں گے جو مہربانی سے سلوک کرے۔"

شاہِ ایران کی تقریر سُن کر مغیرہ بن زراہ جھٹ بول اُٹھے کہ یہ میرے ساتھی شرفائے عرب ہیں۔ حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو پسند نہیں کرتے۔ مگر آپ کے جواب میں مَیں کچھ کہنا چاہتا ہوں :۔

"بے شک ہم ایسے ہی تھے، جیسا کہ آپ نے کہا ہے۔ بلکہ ہم سے زیادہ بدبخت اور گمراہ کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک نبی پیدا کیا۔ جس نے اس بدنصیب قوم کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ وہ جو کچھ کہتا تھا، اللہ کے حکم سے کہتا تھا۔ اُس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم دین اسلام کو دُنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں۔ جو اس کو مان لیں، اُن کا وہی حق ہے جو ہمارا ہے اور جو نہ مانے اور جزیہ دینے پر رضامند ہو، اُس کی حفاظت ہمارے اُوپر فرض ہے۔ مگر جو اِس سے بھی انکار کرے، اُس کے لیے تلوار حاضر ہے۔ ان میں سے جو چیز آپ کو پسند ہو، قبول کر لیں۔"

یزدگرد نے غصّے میں آ کر کہا۔ "تم نے

اِن الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "جس نے ہم کو مخاطب کیا تھا، وہی ہمارا بھی مخاطب ہے۔" یزد گرد نے تن کر کہا کہ "اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو تم یہاں سے زندہ نہ جاتے۔ جاؤ اپنے سردار سے کہہ دینا کہ "رستم آ رہا ہے۔ وہ تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر ڈالے گا۔"

رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ اُس نے بڑھ کر نجف میں ڈیرے ڈال دیئے اور ایک مُدّت تک اس غرض سے لڑائی کو ٹالتا رہا کہ مسلمانوں سے صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔

حضرت سعدؓ نے دُشمنوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بہت سے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ اِن میں سے ایک شخص طلیحہ رات کے وقت ایرانی لباس پہن کر رُستم کی فوج میں گئے اور ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا، جو کسی سردار کا تھا، کھول لیا اور اس کی جگہ اپنا گھوڑا باندھ کر چل دیئے۔ جب اس سردار کو پتہ چلا تو وہ دو

سواروں کو لے کر ان کے پیچھے دوڑا اور اُن پر نیزے سے حملہ کیا۔ جیسے اُنھوں نے خالی دیا اور خود پلٹ کر اِس پھرتی سے اُس کے برچھا مارا کہ وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ اس کے دُوسرے ساتھی کو بھی قتل کیا اور تیسرے کو گرفتار کر کے لے آئے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا۔ اُن کا نام مُسلم رکھا۔ اُن کے ذریعے ایرانی فوج کے بہت سے اصلی حالات معلوم ہوئے۔

محرّم سنہ ۱۴ھ کو میدانِ جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ حضرت سعدؓ اس وقت بیماری کے باعث چلنے پھرنے سے بھی معذور تھے۔ اس لیے خود تو جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن ایک اُونچے مکان پر بیٹھ کر میدانِ جنگ کا نظارہ دیکھتے رہے اور فوج کو ہدایات بھی دیتے رہے۔ ایرانیوں کے پاس بکثرت ہاتھی تھے۔ جنھیں دیکھ کر عربی گھوڑے ڈر کر بھاگنے لگے اور اس کے ساتھ ہی پیدل فوج نے سنبھل کر ہاتھیوں پر تیر برسانے شروع کیے اور ان کے سواروں کو کو مار گرایا۔ رات تک گھمسان کی لڑائی رہی

اور ایک حد تک ایرانی غالب رہے۔

دوسرے دن شہیدوں کے کفن دفن اور زخمیوں کو کیمپوں میں لاتے اور مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے سپُرد کرنے کے بعد پھر میدانِ جنگ گرم ہوا۔ اِسی اثنا میں حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق وہ فوج جسے حضرت خالدؓ عراق سے شام میں لے گئے تھے، ان کی مدد کے لیے پہنچ گئی۔ جس کے آ جانے سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اِس فوج کے سردار حضرت سعدؓ کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ تھے۔

اِس دِن عربوں نے اُونٹوں پر جھُول اور بُرقعے ڈال کر اُنھیں اِس طرح کا مہیب بنا دیا تھا کہ جس طرف وہ رُخ کرتے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے۔ اس سے ایرانیوں پر وُہی آفت آئی، جو پہلے دن ہاتھیوں سے مسلمانوں پر آئی تھی۔ آج کے روز مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔

حضرت ابو محجن ثقفیؓ ایک بہادر صحابی تھے۔ حضرت سعدؓ نے شراب پینے کے جُرم میں انھیں اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا۔ لڑائی کا رنگ دیکھ

کر بے تاب ہو گئے اور حضرت سعدؓ کی بیوی سلمہؓ سے اِس وعدہ پر رہائی حاصل کی کہ جنگ سے فارغ ہو کر شام کو پھر آ کر بیڑیاں پہن لیں گے چنانچہ وہ بجلی کی طرح دُشمن کی فوج پر گرے۔ جدھر جاتے تھے، پرے کے پرے صاف کر دیتے تھے۔ حضرت سعدؓ حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ طریقِ جنگ تو ابُو محجن کا ہے۔ لیکن وہ تو قید ہیں۔ شام کو آ کر اُنھوں نے بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعدؓ کو جب معلوم ہوا کہ ابو محجنؓ ہی آج لڑائی میں اِس بے جگری سے لڑ رہے تھے تو انھوں نے اُنھیں رہا کر دیا۔ اِس پر ابُو محجنؓ نے قسم کھائی کہ "آج سے کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔"

تیسرے دِن گھمسان کا رَن پڑا۔ مسلمانوں نے بڑھ کر ہاتھیوں پر حملہ کر دیا۔ ایک ہاتھی کی جب سُونڈ کٹ گئی تو وہ چنگھاڑتا ہُوا پچھلی طرف بھاگا۔ دُوسرے ہاتھی بھی اس کے پیچھے ہو لیے اور اپنی ہی فوج کو روندتے ہُوئے چلے گئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مسلمانوں نے شِدّت کا حملہ کر

دیا۔ اور ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں کو دباتے ہوئے دُور تک آگے بڑھ گئے۔ پھر قلب میں بڑھ کر درفش کاویانی چھین لیا۔ یہ دیکھ کر رُستم خود میدان میں آیا۔ لیکن زخم کھا کر بھاگا اور نہر میں کُود کر جان بچانی چاہی۔ مگر ہلال بن عرفہ رضؓ نے اُسے پانی سے نکال کر قتل کر دیا۔ ایرانی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑے۔ مگر آخر شکست کھائی۔

حضرت عمرؓ جنگِ قادسیہ کے متعلّق بہت فکرمند رہتے تھے۔ ہر روز صبح قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکلتے اور دوپہر کو واپس آتے۔ جس روز قاصد فتح کی خبر لے کر پہنچا تو مدینہ کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمرؓ اُس سے ملے۔ وہ تیزی سے اُونٹ کو بھگائے لا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور حالات پُوچھتے جا رہے تھے۔ شہر میں داخل ہونے پر جب لوگوں نے اُنھیں امیر المُومنین سے خطاب کیا تو اُس وقت قاصد کو معلوم ہوا تو اُس نے عرض کیا۔ "خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتلا دیا کہ میں رُک جاتا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا

کچھ حرج نہیں۔"

ایرانیوں کی شکست سے مسلمانوں کو اس قدر گھوڑے ملے تھے کہ بیشتر اسلامی فوج سوار تھی۔ حضرت سعدؓ نے دو مہینے تک تو آرام کیا۔ اس کے بعد مقام برس کی طرف بڑھے۔ ہرمز یہاں سے شکست کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار خود میدان میں نکلا مگر ایک غلام نابل نام کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعدؓ مدائن کی طرف بڑھے۔ اس طرف کوچ کی جلدی اس لیے بھی کی گئی کہ اطلاع ملی تھی کہ یزدگرد مدائن سے تمام ذخیرے منتقل کر رہا ہے۔ ایرانیوں نے دجلہ کا پُل بھی توڑ دیا تھا۔ لیکن جب حضرت سعدؓ دریا کے کنارے پر پہنچے تو اللہ کا نام لے کر سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ جسے دیکھ کر تمام لشکر کے گھوڑے ان کے پیچھے ہو گئے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کا یہ ولولہ دیکھا تو بے اختیار کہہ اُٹھے۔ دیو آ گئے۔ ایرانیوں میں اب مقابلے کی تاب کہاں؟ یزدگرد اپنے اہل و

عیال کو لے کر حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ جو رہ گئے۔ اُنھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ مسلمانوں نے ایوانِ کسریٰ میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ اس فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سال مالِ غنیمت لگا۔ جس میں چاندی اور جواہرات کی بے شمار چیزیں تھیں۔ علاوہ ازیں یزدگرد کی لڑکی شہر بانو بھی گرفتار ہو کر دربارِ خلافت میں پہنچی اور اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کا نکاح حضرت امام حسین علیہ السّلام ابن حضرت علیؓ سے ہو گیا۔

شکست خوردہ ایرانی جب جلولا میں جمع ہوئے تو اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس جگہ جم کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ فیصلہ ہونے کے بعد مورچہ بندی شروع ہو گئی اور اپنے اِرد گِرد ایک بڑی خندق کھود لی۔ حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ کچھ عرصہ مسلمان محاصرہ کیے پڑے رہے۔ آخر ایک دن تنگ آ کر اُنھوں نے ایرانیوں پر اس شدّت کا دھاوا کیا کہ ایرانی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں نے اُن کا پیچھا

کر کے ایسا پُر زور حملہ کیا کہ ایک لاکھ ایرانی کھیت رہے اور بہت سا مال و دولت ان کے قبضے میں آیا۔

اسی طرح مسلمان یلغار کرتے ہوئے کوہستانی علاقے تک پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ مسلمان سرحدِ عراق سے آگے نہ بڑھیں۔ کیونکہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مال و دولت سے زیادہ مسلمانوں کی زندگیاں عزیز ہیں۔

جب حضرت سعدؓ کا قاصد مالِ غنیمت لے کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تو جواہرات کے ڈھیر دیکھ کر حضرت عمرؓ رو دیئے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ "جس قوم میں یہ دولت آتی ہے۔ ساتھ ساتھ رشک و حسد بھی آتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق عراق کو کئی حصّوں میں تقسیم کر کے اُن پر عمّال مقرّر کیے گئے۔ ملک میں امن و امان قائم ہوا اور رعایا اطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ دشمنوں کے حملوں سے بچنے کے لیے سرحدّوں پر چھاؤنیاں ڈالی گئیں۔

عراق سے جو لوگ مدینہ منوّرہ جاتے تھے۔ اُن کے جسم کمزور اور رنگ زرد دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت پریشان ہوئے۔ جب معلوم ہوا کہ دجلہ کے قریب کی آب و ہوا راس نہیں آئی تو سعدؓ کو حکم بھیجا کہ سلمان اور حذیفہؓ کو بھیجیں کہ دریائے فرات کے کنارے کوئی مناسب جگہ آبادی کے لیے تلاش کریں۔ اُنھوں نے کُوفہ کی زمین کو پسند کیا۔ یہاں اینٹ اور گارے کے مکانات بنائے گئے۔ بیچ میں ایک جامع مسجد تعمیر ہوئی۔ جس میں چالیس ہزار مسلمان نماز پڑھ سکتے تھے۔ شہر کے بازار اور گلیاں بہت کشادہ اور فراخ رکھی گئیں۔ کوفہ کے علاوہ سنہ ۱۴ھ میں بصرہ کو بھی مسلمانوں ہی نے آباد کیا۔

ایرانی مسلمانوں سے مُعاہدے کر کے توڑ ڈالتے تھے۔ جس سے حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا کہ شاید مسلمان ذمّیوں سے اچّھا سلوک نہیں کرتے۔ اِس لیے انھوں نے حکم دیا کہ چند معتبر آدمی دربارِ خلافت میں بھیجے جائیں۔ لیکن جب وہ دربارِ خلافت میں پہنچے تو اُنھوں نے مسلمانوں کے سلوک کی بہت تعریف کی۔ ہرمز نے کئی دفعہ شکست کھائی۔ معاہدہ کرتا اور

ہمیشہ توڑ دیتا تھا۔ تستر کے مقام پر وہ قلعہ بند ہو گیا اور مہینوں اسلامی سپاہ محاصرہ کیے پڑی رہی۔ آخر مسلمان بہادر اس نہر کے راستے جو شہر میں جاتی تھی، شہر میں داخل ہو گئے اور دروازہ کھول دیا۔ ایرانیوں کے جی چھوٹ گئے۔ ہرمز ایک برج پر سے پکارا کہ تم مجھے اپنے خلیفہ کے پاس پہنچا دو تو میں اپنے آپ کو تمھارے حوالے کر دوں گا۔ وہ جو چاہیں میرے متعلّق حکم دیں۔ چنانچہ اُسے مدینہ منوّرہ بھیج دیا گیا۔

ہرمز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضرت عمرؓ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں اور مسجد میں اکیلے بیٹھے ہیں۔ نہ کوئی دربان ہے نہ پاسبان۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ "تم معاہدے کر کے کیوں توڑ دیا کرتے تھے؟" اُس نے جواب دینے سے پہلے پانی کا پیالہ طلب کیا۔ جو اُسے دے دیا گیا۔ پیالے کو لے کر ہرمز کانپنے لگا۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر کہا کہ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں پانی پیتے میں ہی نہ قتل کر دیا جاؤں؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "جب تک اس پانی کو پی نہ لوگے

تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔" ہرمزؔ نے وہ پانی زمین پر گرا دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہ تھی۔ میں تو امان لینا چاہتا تھا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "تم کو ضرور قتل کیا جائے گا۔ اس پر ہرمز نے کہا کہ "اب تو امان مل چکی ہے۔ دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تائید کی تو فرمایا۔" افسوس! ہم کو پتہ بھی نہ لگا اور اس نے امان لے لی۔" اس کے بعد ہرمز مسلمان ہو گیا اور کہا کہ "میں نے اس وقت اسلام اس لیے قبول نہ کیا تھا کہ دوسرے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے جان کے خوف سے اسلام قبول کیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے دو ہزار دینار سالانہ اس کا وظیفہ مقرّر کر دیا۔

ہرمز کے ساتھ جو دوسرے ایرانی سردار تھے۔ اُن سے حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ "ایرانی معاہدے کر کے کیوں مُکر جاتے ہیں؟ کیا اُن سے مُسلمانوں کا سلُوک اچھا نہیں؟" جس کے جواب میں اُنھوں نے مسلمانوں کے سلوک کی تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔" پھر کیا وجہ ہے کہ اہل عجم اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے۔" احنف بن قیس

نے جواب دیا۔" آپ کا حکم ہے کہ صرف اپنے مفتوحہ علاقے پر ہی قناعت کی جائے اور آگے نہ بڑھیں۔ لیکن ایران کا بادشاہ اہلِ عجم کو ہمارے خلاف بھڑکاتا رہتا ہے۔ جس کے باعث یہ لوگ معاہدے توڑ کر بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جب تک مسلمان ایران پر قبضہ نہ کر لیں گے۔ یہ فتنے جاری رہیں گے۔"

احنف بن قیس کی گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ جب تک یزدگرد موجود ہے اُس وقت تک ہمارے مفتوحہ علاقوں میں امن قائم نہ رہ سکے گا۔ چنانچہ آپ نے بقیہ ایران پر فوج کشی کا حکم دے کر سات علم سات سرداروں کو عطا کیے اور اُن کو مختلف مقامات کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

ان بہادروں نے یکے بعد دیگرے رَے، آذر بائیجان، طبرستان، آرمینیہ، فارس، کرمان، سیستان، مکران اور خراسان کو فتح کر کے سلطنتِ ایران کا خاتمہ کر دیا۔

سیستان کی فتح حضرت فاروقِ اعظمؓ کے فرزند

حضرت عاصمؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ حضرت احنف بن قیسؓ نے خراسان کے صوبے کو فتح کیا۔

حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو جنگ یرموک ختم ہو چکی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ فوجیں لے کر فحل کی طرف بڑھے اور پہلے ہی حملہ میں مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

دمشق کا قلعہ بہت مضبوط تھا۔ مسلمان بہت دیر تک محاصرہ کیے پڑے رہے۔ حضرت خالدؓ نے لشکر کے سرداروں کو شہر کے دروازوں پر ڈیرے ڈالنے کا حکم دے کر خود پانچ ہزار فوج لے کر مشرقی دروازے پر خیمہ لگا دیا۔ عیسائی اب سخت پریشان تھے اور ہرقل کی امداد کا انتظار کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو عیسائی فوج کی آمد کا علم ہوا۔ ذوالکلاع حمیری کو ایک مختصر سی فوج دے کر ہرقل کی فوج کو روکنے کے لیے بھیجا۔ جس نے رومیوں کے لشکر کو زبردست شکست دے کر اُن کے بہت سے سامانِ جنگ پر قبضہ کر لیا۔

اگرچہ اہلِ دمشق کے حوصلے اب پست ہو چکے تھے۔ تاہم وہ دروازے بند کیے پڑے رہے۔

ایک دن حضرت خالدؓ نے شرقی دروازے پر حملہ کر دیا۔ عین اسی وقت غربی دروازے کے عیسائیوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو کہلا بھیجا کہ ہم دروازے کھول دیتے ہیں۔ آپ بے شک آ جائیں۔ جس پر حضرت ابو عبیدہؓ کے ایک غلام نے امان کے لیے ہاں کر دی اور عیسائیوں نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالدؓ کو اس کا علم نہ تھا۔ چنانچہ دونوں فوجیں درمیانی چوک میں مل گئیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ دوستانہ طور پر آ رہے تھے اور حضرت خالدؓ فاتحانہ انداز سے۔ جب یہ دونوں سپہ سالار ملے تو حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ "چونکہ ہم ان کو امان دے چکے ہیں۔ اس لیے ان پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھایا جائے" حضرت خالدؓ کہتے تھے کہ "امان کیسی؟ ہم تو فاتحانہ داخل ہوئے ہیں۔" آخر فیصلہ ہوا کہ لوٹ بند کر دی جائے اور مال غنیمت کو امانت رکھ کر خلیفہ رسول سے فیصلہ منگوایا جائے۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ "کفار کو امان کس نے دی تھی؟ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ایک غلام مسلمان نے ان سے یہ

وعدہ کیا تھا کہ "اگر تم دروازہ کھول دو گے تو تمہیں امان دے دی جائے گی۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ "مسلمان کو اپنے غلام کی بات کا بھی پاس کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی فوج نے جو کچھ لوٹا تھا۔ وہ سب واپس کر دیا۔

اِس کے بعد اسلامی لشکر مختلف سرداروں کی قیادت میں مختلف سمتوں، کو بڑھا اور مرج، روم، حمص، قنسرین اور قیساریہ پر قبضہ کر لیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص جو فلسطین کی مہم پر مقرّر کیے گئے تھے، اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ اُسے فتح کرنے کے بعد وہ بیتُ المقدّس کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بعد میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح بھی مع فوج آ شامل ہُوئے۔ کچھ عرصہ تو عیسائی قلعہ بند رہے۔ آخر اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ خلیفۂ اسلام خود بیت المقدّس میں تشریف لا کر صلح نامہ تحریر فرمائیں۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو حضرت علیؓ کو اپنا نائب بنا کر فلسطین کی طرف روانہ ہُوئے۔

اُمرائے لشکر کو حکم بھیج دیا گیا تھا کہ مقام

جابیہ پر آ کر ملیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ وغیرہ نے آ کر اُن کا استقبال کیا۔ اس وقت مسلمانوں نے دیبا و حریر کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جنھیں دیکھ کر حضرت عمرؓ طیش میں آ گئے اور سنگریزے اُٹھا کر اُن پر مارے اور کہا "خُدا غارت کرے۔ تم بھی عجم والوں کی طرح اس قدر جلد آرام پسند ہو گئے ہو اور عربی سادگی کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ انھوں نے کہا کہ یہ ریشمی لباس ہم نے اِس لیے پہنا ہے کہ ہر وقت ہمارے بدن پر ہتھیار رہتے ہیں۔" فرمایا۔ "اگر یہ بات ہے تو کچھ ہرج نہیں۔" اس مقام پر بیتُ المقدّس والوں کے نمائندے آ کر ملے اور ایک عہدنامہ مرتّب ہوا۔

جابیہ سے آپ بیتُ المقدّس کو روانہ ہوئے۔ جس گھوڑے پر آئے تھے اُس کے پاؤں گھس گئے تھے۔ اس لیے پیدل ہی سفر کیا۔ جب بیتُ المقدس کے قریب پہنچے تو لشکر کے سردار استقبال کو آئے اور اس خیال سے کہ عیسائی لوگ انھیں کوئی معمولی آدمی خیال نہ کریں، ایک بیش قیمت لباس اور ایک ترکی گھوڑا لائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اِن

دونوں چیزوں سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ "خدا نے اسلام کی جو نعمت ہمیں عنایت فرمائی ہے۔ وہی کافی ہے۔"

بیتُ المقدّس کے ایک بہت بڑے گرجے کی سیر کر رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ پادری نے کہا کہ "یہیں نماز ادا کر لیں۔ لیکن اُنھوں نے گرجے سے باہر نکل کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد پادری سے فرمایا کہ" اگر آج تمھارے کہنے پر گرجے میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی۔"

حضرت عمرؓ نے پادریوں اور دیگر معزّز لوگوں کی رائے سے مقامِ صخرہ کو جہاں حضرت یعقوبؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیام کیا تھا، مسجد بنانے کے لیے منتخب کیا۔ اس پر بہت گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ جیسے حضرت عمرؓ نے خود اپنے دامن میں بھر بھر کر اُٹھانا شروع کیا۔ اس پر دُوسرے آدمی بھی لگ گئے۔ جلدی وہ جگہ صاف ہو گئی۔ پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی۔ جو اب تک مسجدِ عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔ چندے قیام

کے بعد آپ مدینہ منوّرہ کی طرف لوٹے۔
۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے دوبارہ شام کا سفر کیا۔ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ مقام سُرغ میں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ شام میں طاعون پھیلا ہُوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے دوستوں سے مشورہ کیا کہ "ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟" بہت بحث و مباحثے کے بعد واپسی کی صلاح ٹھہری۔ حضرت اُبوعبیدہؓ نے کہا "کیا خُدا کی تقدیر سے بھاگتے ہو؟ اس پر فاروق اعظمؓ نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا کہ" ہاں خدا کی تقدیر سے خُدا کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتا ہوں۔" دُوسرے دن عبدُالرحمٰنؓ بن عوف آ گئے۔ جو پہلے دن کی مجلس میں شریک نہ تھے۔ اُن کو جب ان باتوں کا علم ہُوا تو کہا کہ" میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ" جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمھاری بستی میں آئے اُس کے خوف سے نہ بھاگو۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مدینہ منوّرہ واپس تشریف لے

آئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ، معاذؓ بن جبل، یزیدؓ بن سفیان حارثؓ بن ہشام، سہیلؓ بن عمرو اور ان کے بیٹے عتبہؓ اسی وبا میں فوت ہوئے۔ آخر عمروؓ بن عاص اپنی فوج لے کر ایک پہاڑی پر چلے گئے اور اس طرح اس موذی وبا سے نجات حاصل کی۔

طاعون کے رفع ہو جانے پر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے پھر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں صرف اُن کا غلام اُن کے ہمراہ تھا۔ جس وقت پہنچتے ہیں، اپنی سواری غلام کو دے دی اور خود اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ وہاں پہنچ کر آپ نے ملکی اور فوجی انتظامات کو مستحکم کیا۔

مصر رُومی فوج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ جہاں سے ان کو ہر قسم کی مدد ملتی تھی۔ عمروؓ بن العاص کا خیال تھا کہ اگر مصر کو فتح کر لیا جائے تو پھر شام میں رومی فوجوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو گی۔ جب حضرت عمرؓ دوبارہ شام گئے تو انھوں نے یہ تجویز خلیفہ کے سامنے پیش کی۔ حضرت عمرؓ راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج کے ساتھ ان کو

مصر کی طرف روانہ کر دیا۔

مقوقس شاہِ مصر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے فوجیں جمع کیں۔ جب مسلمان اُس کے نزدیک پہنچے تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے سات ماہ تک اُس کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس دوران میں حضرت عمرؓ نے زبیرؓ اور مقدادؓ کے ساتھ دس ہزار مزید فوج امداد کے لیے بھیجی۔ محاصرے سے تنگ آ کر حضرت زبیرؓ ایک دن زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور اندر اُتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ مقوقس نے امان طلب کی جو دے دی گئی۔

یہ عہدنامہ تمام ملکِ مصر کے لیے تھا لیکن قیصر نے اس کو نہ مانا اور سمندر کے راستے ایک زبردست فوج اسکندریہ میں اُتار دی۔ مسلمان بھی مقابلے کو بڑھے۔ مقوقس چونکہ لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اُس نے مسلمانوں سے عہد لیا کہ مجھ کو اور میری قوم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس کی قوم نے مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اسلامی فوج نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر صلح ہو گئی

اور مسلمان اسکندریہ رومیوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر مصر میں آ گئے۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے عمروؓ بن عاص نے فوجوں کے ٹھہرنے کے لیے ایک شہر آباد کیا۔ جو اب تک فسطاط کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کا سلسلہ مشرق میں دریائے جیحوں تک اور مغرب میں شام تک جا پہنچا تھا۔ مصر بھی اسلامی جھنڈے کے ماتحت آ گیا تھا۔ ان تمام ممالک کا انتظام اسلامی عدل کے اصُول پر قائم کیا گیا اور ہر قسم کے ظلم وستم جو جابر بادشاہوں کے ہاتھوں سے رعایا پر ہوتے تھے، مٹا دیئے گئے اور ذمّی امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے۔

مدینہ میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام ابو لولو فیروز تھا۔ اُس نے ایک بار حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ "مغیرہؓ نے مجھ پر محصُول زیادہ لگا رکھا ہے۔" اس کو کم کرا دیجئے۔ پُوچھا کہ "کس قدر ہے؟" کہا "دو درہم روزانہ۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم کام کیا کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا "نجاری

نقاشی اور آہن گری۔" فرمایا کہ اِن دست کاریوں کے ساتھ تو دو درہم روزانہ کچھ زیادہ نہیں۔" اِس فیصلہ سے وہ ناراض ہو گیا۔

دُوسرے دن صبح کے وقت مسجد میں گیا۔ حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ اُس نے دو دھارے خنجر سے حضرت عمرؓ پر کئی وار کیے۔ ایک زخم ناف کے نیچے لگا۔ یہی موت کا باعث ہوا۔ جب لوگوں نے اُس کو پکڑا تو اُس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے اور دریافت کیا کہ "مجھے کس نے قتل کیا ہے؟" جب لوگوں نے نام بتایا تو فرمایا کہ "اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ ایسا شخص ہے، جس نے کبھی اللہ کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ جب دوا پلائی گئی تو زخم کی راہ سے نکل گئی۔ اس سے جاں بَر ہونے کی اُمید جاتی رہی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ "حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر درخواست کرو

کہ وہ اپنے حجرہ میں مجھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب دفن ہونے کی اجازت دیں۔ وہ گئے۔ حضرت عائشہؓ اس واقعہ پر رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ "اس جگہ کو میں نے اپنے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔" عبدُاللہ نے واپس آ کر خوشخبری سُنائی تو فرمایا کہ "الحمدُ للہ سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔"

آخر زخم لگنے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے روز شام کے وقت وفات پائی اور اگلے دن صبح کو دفن کئے گئے۔ اُن کی وصیّت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ ابن وقاص اور حضرت طلحہؓ نے لاش قبر میں اُتاری۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ دس سال چھ مہینے اور چار دن تک خلافت کے کام کو نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔ سب تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ

کی خلافت کا زمانہ تاریخ اسلام کا سنہرا زمانہ تھا۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے ایران اور روم کی سلطنتوں کو زبردست شکستیں دیں اور عربوں نے اپنی بہادری کا سکّہ بھی دُنیا کے دلوں پر بٹھا دیا۔

حضرت عمرؓ کی دانائی کا یہ عالم تھا کہ فوجیں مدینہ سے ہزاروں کوس کے فاصلے پر لڑ رہی ہیں۔ آپ کو کبھی ان علاقوں میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ میدانِ جنگ سے جو خبریں آتی تھیں۔ اُنہی کی بنا پر میدانِ جنگ کا نقشہ خود تیار کرکے بھیجا کرتے تھے۔

انتظام اتنا اچھّا تھا کہ آپ کے وقت میں گو ہر طرف جنگیں جاری تھیں مگر سب جگہ وقت پر کمک بھی پہنچتی تھی اور سامان اور رسد کی بھی کبھی شکایت نہ ہوئی۔ سرحدی علاقوں میں زبردست چھاؤنیاں بنائی گئیں اور نئے علاقوں کا نہایت عمدہ انتظام کر دیا گیا تھا۔ فوج میں غیر مسلم لوگ بھی لیے جاتے تھے۔ سامانِ حرب میں نت نئی اصلاحات ہونے لگیں۔

حکومت کا یہ حال تھا کہ باوجود اتنی وُسعت کے ہر جگہ ایک قابل اور معتبر گورنر مقرّر کیا جاتا تھا۔

آپ نے کئی گورنروں سے معمولی لوگوں کو قصاص دلایا۔

کسی کو آپ کے سامنے دَم مارنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ رعایا کو حکم تھا کہ اگر کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو حج کے موقع پر پیش کی جائے اور گورنروں کو حکم تھا کہ حج کے موقع پر آیا کریں۔ تاکہ وہیں تقرری، تبدیلی، معزولی اور سزا جزا کا فیصلہ ہو سکے۔

محاصل کے حساب و کتاب میں اِس قدر احتیاط برتتے تھے کہ جو ملک فتح ہوتا، سب سے پہلے اُس کے محاصل، رقبہ اور آبادی کا حساب لگاتے اور اِس بات کی خاص احتیاط فرماتے تھے کہ کہیں کوئی خیانت تو نہیں ہوتی۔ نیز ایران اور مصر میں محاصل کے دفتر فارسی اور رُومی زبان میں قائم کیے گئے تاکہ محاسبوں اور محرّروں کی تلاش میں دِقت نہ ہو۔

عدالت کا محکمہ الگ تھا۔ ہر صوبے کے لیے بلند پایہ صحابیوں میں سے کسی کو مقرر کر رکھا تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابُو ہریرہؓ اور حضرت ابُو درداءؓ کے سوا کوئی فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔

عوام کی حفاظت کے لیے پولیس اور خُفیہ پولیس کا نہایت اچھّا انتظام تھا۔ مجرموں کو سزا دینے کے لیے جیل خانے بنائے گئے تھے۔ اسلام میں بعض صورتوں میں جلا وطنی کی سزا آپ نے ہی مقرر فرمائی تھی۔

آپ کے عہد میں تعمیرات کا ایک مستقل صیغہ قائم تھا۔ جس کے ذریعے مسجدیں اور سڑکیں بنائی گئیں۔ پُل تعمیر ہُوئے اور نہریں نکالی گئیں۔ جن میں سے نہر ابی موسٰی اور نہر متصل بہت مشہور ہیں۔ ہر بڑے شہر میں سرکاری مہمان خانے تعمیر کرائے اور کئی نئے شہر بھی آباد کیے گئے

عرب میں تعلیم کا کوئی رواج نہ تھا۔ امیروں اور رئیسوں کے بچّے معمولی تعلیم حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صوبے اور ہر ملک میں ابتدائی مدارس قائم کر دیئے تھے جن میں مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ہر جگہ قاری اور حافظ قرآن مقرر ہوئے۔ بیتُ الحرام اور مسجدِ نبوی کو وسعت دی گئی۔ اوّل اوّل مسجدیں فرش اور روشنی کا انتظام آپ ہی کے حکم سے ہوا تھا۔

مردم شماری کا محکمہ الگ تھا جس سے مسلمانوں، ذمّیوں، غلاموں اور دیگر افراد کا پتہ چل جاتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ذمّیوں کے حقوق کی پوری نگرانی کی جا سکے اور غلاموں کو آزاد کیا جا سکے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جناب فاروق رضؓ کے عہد میں غلامی کا رواج بہت کم ہو گیا تھا۔

حضرت عمر رضؓ نے قرآن شریف اور آنحضرتؐ کے حالات اور خیالات کو سامنے رکھ کر ایک جمہوری سلطنت کی بُنیاد قائم کی جو ان کا عظیم الشّان کارنامہ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ کے عہد میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ مومن اور کافر کی حفاظت

اور بدو یکساں کی جاتی تھی اور اُن کے درمیان انصاف میں کوئی فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ غیر مسلموں کی حفاظت کے لیے اُن سے ایک معمولی رقم بطور جزیہ لی جاتی تھی۔ لیکن جو لوگ فوج میں شریک ہو جاتے تھے۔ اُن کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا۔ جزیے کی مقدار عام لوگوں سے چھ درہم، امیروں سے بیس درہم اور محنت مزدوری کرنے والوں سے تین درہم سالانہ مقرّر تھی لیکن یہ ایک خاص رعایت تھی کہ بیس سال سے کم اور پچاس سے زیادہ عمر والے مردوں، عورتوں، لُولوں، لنگڑوں، اندھوں، پاگلوں اور غریبوں سے کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ غریب سے مراد وہ لوگ تھے جن کے پاس ساٹھ روپوں سے کم نقدی ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں دُوسری قوموں کے رہنماؤں سے کوئی جزیہ نہ لیا جاتا تھا۔

چونکہ سَن وغیرہ لکھنے کا ابھی تک کوئی رواج نہ ہُوا تھا۔ جس سے تحریروں میں سخت دِقّت پیش آتی تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت سے سن ہجری کی بُنیاد

ڈالی۔ علاوہ بریں اسلامی سکّہ بھی آپ ہی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے شامی اور یمنی سکّے چلتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہر ملک کا سکّہ عرب میں آنے لگا تو اُنھوں نے بھی ایک اسلامی سکّہ جاری کیا۔ جس کے ایک طرف الحمد للہ اور دوسری طرف لا اِلٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ کے لفظ تھے اور بعض پر الحمد للہ کی جگہ محمّد رسُولُ اللّٰہ درج تھا۔

حضرت عمرؓ کا قد لمبا تھا۔ سر پر بال کم تھے۔ آنکھیں بڑی اور پُر رعب تھیں۔ ڈاڑھی گھنی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ ڈاڑھی میں مہندی لگاتے تھے۔ رُخساروں میں گوشت کم تھا۔ بالوں کو روزانہ کنگھی کیا کرتے تھے۔ کندھے چوڑے اور سینہ کشادہ تھا۔ رنگ نہایت سُرخ و سفید تھا۔ نہایت قوی ہیکل تھے۔ اِن کی صُورت سے رُعب ٹپکتا تھا۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے مُسلمانوں پر سختیاں کیا کرتے تھے لیکن جس وقت مسلمان ہُوئے تو اُنھوں نے کھُلّم کھُلا اِسلام کی تبلیغ

شروع کر دی۔ اذان کا سلسلہ آپ ہی کی رائے سے شروع ہُوا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کے اندر حقیقی مساوات اور جمہوریت کی رُوح پیدا کر دی۔ وہ کسی کام کو بغیر مشورہ کے طے نہ کرتے تھے اور اگر کوئی معمولی سا آدمی بھی کوئی اچھّی بات کہتا تو آپ فوراً قبول کر لیتے۔

حضرت عمرؓ جس قدر امیروں اور گورنروں کے لیے سخت تھے، رعایا کے لیے اُتنے ہی نرم تھے۔ ہمیشہ اُن کی بہتری اور بہبُودی میں لگے رہتے تھے۔ خلافت کی ذمّہ داری کا اُنھیں بڑا احساس تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ " اگر ساحلِ فرات پر بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

ایک دفعہ صدقے کا کوئی اُونٹ گُم ہو گیا۔ وجُود سخت دُھوپ کے آپ اُس کی تلاش کر رہے تھے۔ کسی نے کہا۔" یا امیر المومنین! آپ خود کیوں تکلیف اُٹھا رہے ہیں؟ یہ کام کسی اور

کے سپرد کر دیا ہوتا۔" آپ نے جواب دیا کہ "اِس کی حفاظت میرے ذمّے واجب ہے۔ قیامت کے دِن مُجھ سے ہی پُرسِش ہوگی۔"

قبیلوں کے دفاتر خود اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ اور بچّوں اور عورتوں کو نام بنام بُلا کر اپنے ہاتھوں سے اُن کو وظیفے دیتے تھے۔ رات کو مدینہ کے نواح میں گشت کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی قافلہ مدینہ کے نواح میں آ جاتا تو اس کی حفاظت اس طور پر کرتے کہ اُنھیں ہرگز یہ علم نہ ہوتا کہ اُن کا پاسبان خلیفۂ وقت ہے۔

ایک رات اپنے غلام اسلم کو ساتھ لے کر مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام ضرار میں پُہنچے۔ دیکھا کہ ایک خیمہ میں ایک بُڑھیا کچھ پکا رہی ہے اور چند بچّے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر پُوچھا کہ "بچّے کیوں رو رہے ہیں اور ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟" بُڑھیا نے کہا "کُچھ نہیں۔ بچّوں کے بہلانے کے لیے خالی پانی چڑھا رکھا ہے۔ تاکہ ان کا جی بہلا رہے اور سو جائیں۔ یہ سُن کر فاروقِ اعظمؓ کانپ اُٹھے

اور اپنے غلام کو ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔ بیتُ المال سے ضرورت کی سب چیزیں لیں اور اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ غلام نے کہا کہ "میرے کندھے پر بوجھ رکھ دیجئے۔" فرمایا۔ "کیا قیامت کو بھی تم میرا بوجھ اُٹھاؤ گے؟" خود بڑھیا کے آگے لاکر رکھ دیا اور خود چُولھا پُھونکنے لگے۔ بچّوں نے جب روٹی کھا لی، تو وہاں سے واپس لوٹے۔ بُڑھیا نے کہا۔ "اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ خلیفہ تم کو ہونا چاہیئے تھا نہ کہ عمرؓ کو۔" فرمایا۔ "کل مدینہ میں آنا۔ خلیفہ تمھارا کچھ وظیفہ مقرّر کر دے گا۔"

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ آپ کی بیٹی اُمُّ المؤمنین حضرت حفصہؓ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا "امیرُ المومنین! اِس میں سے میرا حق مجُھ کو عنایت کیجئے۔ کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔ "جانِ پدر! تیرا حق میرے مال میں ہے۔ لیکن یہ غنیمت کا مال ہے۔"

ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے تو حکیموں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیتُ المال میں شہد موجُود تھا

لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ
مسجد نبوی ؐ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ "اگر آپ
اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے
لوں"۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خزانہ
پر خلیفۂ وقت کا اتنا بھی اختیار نہیں کہ وہ معمولی
سے معمولی شئے بلا اجازت لے سکے۔ پرہیز گاری
کا یہ عالم تھا کہ آپ رات کے وقت دیا جلا کر
بیت المال کا حساب کر رہے تھے کہ آپ کی
بیوی تشریف لے آئیں اور گھریلو باتیں شروع کر
دیں۔ آپ نے فوراً دیا بجھا دیا۔ دریافت کرنے
پر فرمایا کہ "اس بیت المال کا تیل گھریلو باتوں
کے لیے نہیں ہے"۔

اس قدر تقویٰ کے باوجود حضرت عمرؓ کی
ہیبت اس قدر تھی کہ بڑے بڑے جابروں کو
ان کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔
اُن کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا دُرّہ رہتا تھا۔
جس کا خوف خوں خوار تلوار سے بھی زیادہ تھا
اور چند ایک صحابہؓ کے سوا اس سے نیچے بھی
کم ہی لوگ تھے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ خلیفہ کا رُعب اِس قدر ہے کہ اُن سے آنکھ مِلاتے ہُوئے دِل لرز جاتا ہے۔ جب اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے یہ بیان کیا تو فرمایا "اللہ جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں، اُن سے زیادہ میں خود اُن سے ڈرتا ہوں"

بیتُ المال کے خزانے کو سوائے مستحقین کے کسی اور کے لیے حلال نہیں سمجھتے تھے۔ خود اُن کا وظیفہ اس قدر قلیل تھا کہ تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ ایک دفعہ چند صحابہؓ نے اُن کی بیٹی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے کہا کہ آپ ہمارا نام نہ لیں، لیکن یہ کہیں کہ عام لوگوں کی رائے ہے کہ بیتُ المال سے آپ بہت کم روزینہ لیتے ہیں۔ اس میں کچھ اضافہ کر لینا چاہیئے۔" حضرت حفصہؓ نے اُن سے کہا تو پُوچھا کہ" وہ کون لوگ ہیں؟ میں اُن کی خُوب خبر لُوں گا۔" حضرت حفصہؓ نے کہا کہ ان کے نام نہیں بتائے جا سکتے۔" فرمایا کہ "اچھا تم میرے اور اُن کے درمیان ہو۔ کیا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ

وسلّم نے فاقے نہیں کیے؟ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے؟ پھر جب انھوں نے فضولیات کی طرف توجہ نہیں دی تو مجھے بھی اسی حالت میں رہنے دو۔"

ایک دفعہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ کلثوم نے قیصرِ رُوم کی ملکہ کو عطر کی چند شیشیاں بطور تحفہ بھیجیں۔ ملکہ نے ان شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کیا۔ اِن میں موتیوں کی ایک مالا بھی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو اُس کو لے کر بیتُ المال میں داخل کر لیا۔ لوگوں نے کہا کہ "یہ ملکۂ رُوم کا ہدیہ ہے جو نہ آپ کے زیرِ فرمان ہے اور نہ اُس کے مال سے آپ کو کچھ تعلّق ہے۔" فرمایا: "قاصد مسلمانوں کا تھا اور اُس کے اخراجات بیتُ المال سے دیئے گئے تھے۔" چنانچہ سب جواہرات بیتُ المال میں جمع کر لیے گیے۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ اپنے رشتہ داروں اور اپنی ذات پر بہت زیادہ سختی کیا کرتے تھے۔ اگر اُمّت کو کسی چیز سے روکنا ہوتا تھا تو

پہلے یہ دیکھا کرتے تھے کہ اپنے گھر میں تو یہ چیز نہیں۔ اگر ہوتی تو پہلے اس کو علیحدہ کرتے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کے عدل و انصاف کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ آپ کسی کی ہرگز رُو رعایت نہ کرتے تھے۔ جب آپ کے بیٹے ابو شحمہ رضؓ نے شرعی جُرم کیا تو اُن کو اسّی ۸۰ دُرّوں کی سزا دی۔ جس سے اُن کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضؓ کی آنکھوں سے آنسُو جاری ہو گئے اور فرمایا۔ "بیٹا! دُنیا میں تجھے سزا مل چکی۔ الحمدُ لِلّٰہ اب عاقبت بخیر ہو گی۔"

ایک عیسائی بادشاہ جبلّہ بن ایہم مُسلمان ہو کر ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ مکّہ میں آیا۔ طواف کے دَوران میں اُس کے دھکّے سے ایک غریب مُسلمان کے گھُٹنے میں چوٹ آ گئی۔ اُس نے حضرت عمر رضؓ سے فریاد کی تو اُنھوں نے جبلّہ سے کہا۔ "یا تو معافی مانگو۔ ورنہ اپنا گھُٹنا تڑاؤ۔" یہ فیصلہ سُن کر عیسائی بادشاہ بہت متعجّب ہُوا۔ ایک رات کی مہلت مانگی اور راتوں رات فوج سمیت بھاگ

کر پھر عیسائی ہو گیا۔

مردم شناسی اور صاف گوئی کا یہ عالم تھا کہ جب حمص کا عامل مر گیا اور حضرت عبداللہ بن عبّاس رضؓ نے اُس کی جگہ تقرّری کی خواہش کی تو فرمایا "تمھاری طرف سے میرے دل میں کھٹکا ہے۔" اُنھوں نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ "تم محاصل میں ضرور تصرّف کرو گے۔" چنانچہ ان کو مقرّر نہیں کیا۔

ایک دفعہ آپ لوگوں کو کھانا کھِلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ پاس جا کر کہا "داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔" اُس نے بتایا کہ "جنگ مُوتہ میں میرا داہنا بازُو کٹ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو رقّت ہوئی اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے اُسے کھانا کھلاتے رہے اور اس کی خدمت کے لیے ایک نوکر مقرّر کر دیا۔

دَورانِ جنگ میں اُن کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور ان کی ضروریات کا سودا بازار سے لا دیا کرتے تھے۔ میدانِ جنگ

سے قاصد خطوط لاتا تو خود ہر ایک گھر میں پہنچاتے
اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائیگا۔
تم جواب لکھوا رکھنا۔ جس گھر میں کوئی لکھنے والا
نہ ہوتا، خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور
گھر والوں کے کہنے کے مطابق خط لکھ دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بتا دیا
تھا کہ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اور
کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح
انسان پر حکومت کرے۔ ایک موقع پر جب حضرت
عمرو رضؓ بن العاص کے بیٹے نے ایک قبطی کو
بے وجہ مارا تو خود اُسی قبطی کے ہاتھ سے
مجمع عام میں سزا دِلوائی۔ عمرو رضؓ بن العاص اور
اُن کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"تم لوگوں نے آدمی کو کب سے غلام
بنا لیا ہے۔ ان کی ماؤں نے تو اُن
کو آزاد جنا تھا۔"

حضرت عمر رضؓ قرآن شریف کے بہت بڑے
عالم اور چوٹی کے محدّث تھے۔ علم فقہ کی
بنیاد اُنھوں نے ہی رکھی۔ فقہ حنفی میں تقریباً

تمام مسئلے حضرت عمرؓ ہی کے رائج ہیں۔ عربی کے علاوہ عبرانی زبان میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ آپ آنحضرتؐ کو توریت سنایا کرتے تھے۔

فنِ تقریر میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کی تقریر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی تھی کہ دورانِ تقریر میں کئی شرعی مسئلے بھی حل کر جایا کرتے تھے۔ تاکہ دینی معاملات میں بھی لوگوں کی واقفیت بڑھتی رہے۔ ان کے فرمانوں اور تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بھی انھیں پوری دسترس تھی۔

شعر کے متعلق ان کا مذاق بہت سلجھا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ خود شاعر نہ تھے۔ لیکن سخن فہم اعلیٰ درجے کے تھے۔ وہ یہاں مہذب شاعری کے قدردان تھے۔ وہاں عرب کی قدیم بے ہودہ شاعری کے سخت خلاف بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں عشقیہ شاعری اور ہجو گوئی کی سخت بندش کر دی تھی۔

غرضیکہ حضرت فاروق اعظمؓ جامع صفات انسان تھے۔ آپ کے عہد میں اسلام کو جو

برتری، فوقیت اور عالمگیر شہرت ملی۔ وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ۔

تیسرے خلیفہ

حضرت عُثمان غنی رضیَ اللہ عَنہُ

حضرت عثمان رضؓ قریش کے قبیلہ بنی اُمیّہ سے تھے۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے پانچ سال بعد پیدا ہُوئے۔

کُفر کی حالت میں اُن کی کُنیت ابو عمرو تھی۔ مگر اسلام لانے کے بعد اس کو بدل کر اپنی کُنیت اُبو عبدُاللہ مقرّر کی۔ آپ نے یکے بعد دیگرے حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دو صاحبزادیوں حضرت رُقیّہ رضؓ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضؓ سے شادی کی۔ اس لیے دربارِ رسالتؐ سے ذوالنّورین کا خطاب عطا ہُوا۔

آپ اور آپ کا خاندان کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ جس کے باعث آپ کو کئی دُوسرے ملکوں میں بھی جانے کا موقع ملا۔ ایک امیر گھرانے کے فرزند ہونے کے باعث آپ نے مروّجہ تعلیم

بھی حاصل کی اور بڑے ناز ونعم سے پلے۔
حضرت عثمانؓ شروع ہی سے مُشرکانہ رسوم، شراب نوشی اور قمار بازی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ حالانکہ اُس زمانے کے نوجوان کے لیے یہ بُرائیاں دولت مندی اور بڑائی کا نشان سمجھی جاتی تھیں۔
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو آپ تجارت کے سلسلے میں مکّے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اُس وقت ان کی عمر تقریباً چونتیس برس کی تھی۔ جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرتؐ کے دعویٰ کا حال سُنا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملے۔ جن سے اُن کے پُرانے تعلّقات چلے آتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ انھیں لے کر دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کر لیا۔
آپ اُن صحابہؓ میں سے ہیں۔ جنھیں قبولِ اسلام کے خوفناک مصائب جھیلنے پڑے۔ جب اُن کے چچا حکم بن ابی العاص کو حضرت عثمانؓ کے مسلمان

ہونے کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ حضرت عثمان رضؓ کو بہت اذیتیں دی گئیں۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ترش رُو ہو کر کہا۔ "کیا تم شام سے میرے واسطے یہی بے دینی (نعوذ باللہ) کا تحفہ لائے ہو؟ کان کھول کر سُن لو کہ جب تک محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا دین چھوڑ کر اپنے پہلے دین میں واپس نہ آ جاؤ گے، اسی طرح پا بہ زنجیر رکھوں گا۔" آپ نے بھی اسی تیزی اور دُرشتی سے جواب دیا۔ "چچا! آپ کا مجھ کو اس طرح ڈانٹنا بالکل بے کار ہے۔ اگر یہ سر بھی تن سے جُدا کر دیا جائے تو میں اسلام کو نہیں چھوڑنے کا۔" ابن العاص نے جب یہ یقین اور استقلال دیکھا تو خاموش ہو گیا اور سمجھا کہ جوانی کا جوش ہے۔ جب دو ایک روز تکلیفیں ملیں گی تو مزاج ٹھکانے آ جائے گا۔ مگر جب دیکھا کہ آپ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، گالیاں اور مار کھاتے ہیں مگر اُف نہیں کرتے تو زنجیریں کاٹ دیں اور گھر سے نکال دیا۔ چنانچہ یہ حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر

ہو گئے۔

مکّہ میں مسلمانوں پر جب کفّار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو جناب پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اُن میں حضرت عثمان غنی رضؓ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ رضؓ بھی آپ کے ہمرکاب تھیں۔ حضرت عثمان رضؓ مہاجرین کے اس قافلے کے سردار تھے۔

حبشہ میں آپ پانچ سال تک رہے۔ ان کے ایک لڑکا بھی ہوا۔ جن کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسی کی وجہ سے آپ کی کُنیت ابوعبداللہ پڑ گئی۔ اس دوران میں اطّلاع ملی کہ مسلمانوں اور قریش میں صلح ہو گئی ہے۔ مہاجرین کو جو کئی سال سے مکّہ سے دور بیٹھے ہوئے تھے اور واپس وطن جانے کے لیے بے قرار تھے، جب اس افواہ کا علم ہوا تو وہ وطن کو لوٹے۔ ابھی چند منزلیں ہی طے کی تھیں کہ صلح کی خبر کے غلط ہونے کا علم ہوا۔ اس پر سارا قافلہ واپس حبشہ کو چلا گیا مگر حضرت عثمان رضؓ نے مکّہ واپس آنا ہی مناسب سمجھا

اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر میں مقیم ہو گئے۔

آپ کو واپس آئے زیادہ مُدّت نہ گزری تھی کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ اِس سفر میں بھی حضرت رقیّہ رضؓ آپ کے ساتھ رہیں۔

جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی مدینہ تشریف لے آئے تو آنحضرتؐ نے حضرت عثمان رضؓ کو انوس بن ثابت انصاری کا بھائی بنایا۔ تھوڑی مُدّت کے بعد آب و ہوا کی ناموافقت کے باعث حضرت رقیّہ بیمار ہو گئیں اور حضرت عثمان جنگ بدر میں محض بی بی صاحبہؓ کی تیمار داری کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ بدر کی فتح کے روز حضرت رقیّہؓ نے انتقال فرمایا۔ بدر سے واپس آ کر آنحضرتؐ نے انھیں بھی اصحابِ بدر میں شمار کر کے مالِ غنیمت کا حِصّہ دیا۔ دو سال کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی دُوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضؓ سے کر دیا۔

صُلح حُدیبیہ کے سلسلے میں جب آپ سفیر بن کر کُفّارِ مکّہ کے پاس گئے اور آپ کی شہادت

کی افواہ اُڑی تو آنحضرتؐ کو اس قدر رنج ہوا کہ ایک درخت کے نیچے تمام صحابہؓ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ آپ کی شہادت کی ابھی تصدیق نہ ہوئی تھی اس لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور عثمانؓ کی بیعت بھی میں اسی وقت لیتا ہوں۔"

فتح مکہ کے بعد حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد گرفتار ہو کر آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سزائے موت کو جائز قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ وہ کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ لیکن لکھتے وقت تحریف کیا کرتے تھے۔ جب ان کو کتابت سے علیحدہ کیا گیا تو مرتد ہو کر بھاگ گئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی سفارش پر آنحضرتؐ نے انھیں چھوڑ دیا۔ یہ پھر توبہ کر کے مسلمان ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب مدینہ میں قحط

پڑا تو حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہزار اُونٹ جن میں سے سو اناج سے لدے ہوئے تھے، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد خدمت اقدس میں پیش کیے۔ اس موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ و سلّم نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

سنہ ۹ھ میں آپ کی دوسری بیوی حضرت اُمّ کلثومؓ بنت محبوبِ خدا نے بھی، انتقال فرمایا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور تجہیز و تکفین کی۔

علاوہ تجارتی مشاغل کے آپ کاتبانِ وحی میں سے تھے اور جو کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا، اُس کو حفظ کر لیتے تھے۔ آپ قرآن مجید کے پہلے حافظ ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ مُشیرانِ حکومت میں رہے۔ چنانچہ جب حضرت صدیقؓ حج کو تشریف لے گئے تو آپ ہی کو مدینہ منورہ میں نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جُملہ اہم کاغذات انہی سے لکھواتے اور اہم اُمور میں

مشورہ بھی لیتے۔ حضرت عمرؓ کے تقرّر کا عہد نامہ بھی حضرت عثمانؓ نے ہی لکھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں آپ بڑے امین و معتمد رہے۔ تمام مذہبی اور سیاسی کاموں میں آپ کے مشورے کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کسی جنگی مہم میں شرکت نہ کر سکے۔ اسلامی سلطنت پھیلی تو اُن کے کاروبار کو بھی بہت فروغ ہوا اور آپ پہلے سے زیادہ امیر بن گئے۔ لیکن اِس قدر دولت کے باوجود آپ نہایت سادہ لباس پہنتے اور سادہ کھانا کھاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ مقرر ہو جانے پر جب سب لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی تو حضرت عثمانؓ نے منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے حمد و ثنا اور نعتِ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد لوگوں کو عملِ صالح اور ثوابِ آخرت کی طرف متوجّہ کیا اور مال اور دولت کی کثرت کے باعث مسلمانوں میں

جو تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی اس سے منع کیا اور فرمایا کہ "دُنیا ایک فریب کا جال ہے اس سے بچ کر رہو۔ شیطان کے پھندے سے بچو اور اپنی زندگیوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں خرچ کرو۔" اس کے بعد مختلف اسلامی صُوبوں کے حاکموں اور افسرانِ فوج کے نام فرمان جاری کیے۔ کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرو اور جس طرح خلفائے سابق رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں مذہبی اور سیاسی اُمور کو نیک نیتی اور تن دہی سے انجام دیتے چلے آئے ہو۔ اسی پر کام کرتے چلے جاؤ۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے مجروح ہونے کے بعد یہی خیال تھا کہ صرف فیروز ہی ان کا قاتل ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ آپ پر حملہ کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ "جس صُبح حضرت عمرؓ پر حملہ ہوُا، اُس سے پہلی شام ہرمزان، جفینہ اور فیروز تینوں بیٹھے ہوئے آپس میں کوئی مشورہ کر رہے تھے۔ میرے قریب پہنچنے پر وہ گھبرا کر اُٹھے تو

اُن میں سے کسی کے پاس سے ایک دو دھاری خنجر گرا۔

جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ بالکل اُسی قسم کا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے بیان کیا۔ جب اس زخم کی وجہ سے حضرت عمر رضؓ کا انتقال ہو گیا تو عبدُاللہ رضؓ بن عمر رضؓ نے طیش میں آ کر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اِس کے بعد حفینہ کی طرف چلے جو ایک عیسائی غلام تھا، وہ بھاگ گیا۔ حضرت صہیب رضؓ جو عارضی طور پر خلافت کا کام انجام دے رہے تھے، جب انھیں اس واقعہ کا علم ہوا تو اُنھوں نے عبدُاللہ رضؓ کو پکڑ کر اس وقت تک قید کر دیا، جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے۔

حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ہُوئے تو سب سے پہلے یہی مقدّمہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ اُنھوں نے صحابہ رضؓ سے مشورہ کیا۔ باقیوں نے تو کہا کہ کل عمر رضؓ کا انتقال ہوا ہے۔ آج اُن کے لڑکے کو سزا دینا درست نہیں۔ مگر حضرت علی رضؓ کی رائے تھی کہ قصاص لیا جائے۔ حضرت عثمان رضؓ خود تذبذب

میں تھے کہ عمروؓ بن عاص نے کہا "اے امیر المومنین! اس معاملے سے آپ کا کیا سروکار؟ یہ واقعہ آپ کی خلافت سے قبل کا ہے۔" آخر بہت غور کے بعد حضرت عثمانؓ نے خوں بہا کی ادائیگی اپنے ذمّے لے لی۔ اِس فیصلے سے لوگ بھی خوش ہو گئے اور ہرمزان کے رشتہ دار بھی راضی ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بمشکل چھ ماہ گزرے تھے کہ ہمدان والوں نے بغاوت کر دی۔ اُن کو دیکھ کر اہل رَے بھی باغی ہو گئے۔ لیکن مغیرہؓ بن شعبہ اور ابُو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ کی کوشش سے یہ بغاوتیں فرو کر دی گئیں۔ مصر والوں نے بغاوت کی جسے عمروؓ بن عاص نے جا کر رفع کیا۔

حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی ولیدؓ بن عقبہ نے عقبہ بن فیروز کو آذر بائیجان کی امارت سے علیحدہ کر دیا۔ جس پہ وہاں فساد برپا ہو گیا۔ آخر ولیدؓ ایک زبردست لشکر لے کر وہاں پہنچے اور آذر بائیجان والوں کو مغلوب کرنے کے بعد آرمینیا کو بھی فتح کر لیا۔ اِس فتح میں بہت سا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ سعید بن عاص کی

سرکردگی میں ایک فوج طبرستان کی طرف بھیجی گئی۔ آخر وہ لوگ شکست کھا کر صلح کر لینے پر مجبور ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت امام حسن علیہ السّلام اور حضرت امام حسین علیہ السّلام بھی پہلی مرتبہ شریک ہوئے تھے۔

فارس والوں نے مسلمانوں کے امیر عبداللہ رضؓ بن عمرؓ کو قتل کر کے بغاوت کر دی۔ دربارِ خلافت کی طرف سے عبدُاللہؓ بن عامر عامل فارس کو فوج کشی کا حکم ہوا۔ اُنھوں نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اِس لڑائی میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد مارا گیا اور ایران کے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ بغاوتوں کا یہ سلسلہ سندھ تک پھیل چکا تھا۔ مگر ابنِ عامرؓ نے دانائی اور بہادری سے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔

امیر معاویہؓ نے رُوم پر چڑھائی کر کے ایک مضبوط سلطنت کی بُنیاد رکھی تو حضرت عثمانؓ نے اُنھیں پُورے صُوبے کا والی مقرّر کر دیا۔ اُنھوں نے جا بجا رُومیوں کو شکستیں دیں۔

امیر معاویہؓ کا مقابلہ زیادہ تر رُومیوں سے رہتا

تھا۔ جن کے پاس بکثرت جنگی کشتیاں تھیں۔ ریگستانِ عرب کے رہنے والے اس چیز سے بالکل ناواقف تھے۔ امیر معاویہؓ نے اس کمی کو محسوس کر کے ایک زبردست بحری طاقت قائم کی۔ تاکہ سمندر میں بھی رُومیوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی بحری کشتیوں کے بنانے کی اجازت مانگی تھی مگر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بحری بیڑا بنانے کی اِجازت تو دے دی لیکن حکم دیا کہ قُرعہ اندازی یا جبر سے مسلمانوں کو بحری فوج میں نہ لیا جائے۔ صرف وہی لوگ بھرتی کیے جائیں جو خوشی سے اس میں شامل ہونا پسند کریں۔

امیر معاویہؓ نے ایک زبردست بحری بیڑا تیار کر کے ۲۸ھ میں جزیرۂ سائپرس (قبرص) پر دھاوا کر دیا۔ اِس لڑائی میں بہت سے صحابہؓ بھی مدینہ منورہ سے آ کر شامل ہوئے۔ عبداللہ بن سعدؓ سپہ سالارِ مصر بھی مدد کو پہنچ گئے۔ قبرص والوں نے اِن شرائط پر صلح کر لی کہ وہ ہر سال سات ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے۔

اسی قدر رقم وہ رومیوں کو دیں گے ۔ جس میں مسلمان مزاحم نہ ہوں گے ۔ اگر کوئی اور طاقت قبرص پر حملہ کرے تو مسلمان لڑائی کے لیے مجبور نہ ہوں گے ۔ اگر رُومی اسلامی ممالک پر حملہ کا ارادہ کریں گے تو اہلِ قبرص کا فرض ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو اُن کے ارادوں سے مطلع کریں ۔ اسلامی فوج کو جزیرے میں سے گزرنے کا حق ہوگا ۔

امیر معاویہؓ نے فوج کو دو حِصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا ۔ ایک حِصّہ سردیوں میں مصرُوف رہتا تھا اور ایک گرمیوں میں ۔ عبداللہ بن قیسؓ حارثی امیُر البحر تھے ۔ اُنھوں نے رُومیوں سے کئی لڑائیاں لڑیں ۔ باوجودیکہ عرب کے لوگ سمندروں میں سفر کرنے سے ناواقف تھے ۔ تاہم وہ ہمیشہ بڑی بہادری سے سمندری لڑائی لڑتے رہے ۔

مصر میں اسکندریہ کے رُومیوں کے ساتھ بعض قبطی سردار بھی مل گئے ۔ اُنھوں نے ہرقل سے امداد طلب کی ۔ اُس نے ایک زبردست بحری بیڑا روانہ کیا اور رُومی فوجیں اسکندریہ میں اُتر گئیں ۔ عمروؓ بن العاص عاملِ مصر کو جب اطّلاع ملی

تو وہ ایک زبردست لشکر لے کر رُومیوں کے مقابلے کو گئے اور اُنھیں شکست فاش دے کر اسکندریہ کی فصیل توڑ کر اُس پر قبضہ کر لیا۔

۲۵ھ میں عبداللہ بن سعدؓ افریقہ کے سپہ سالار ہو کر رُومیوں کے مقابلے کو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ" اگر تم نے وہاں رُومیوں کو مغلوب کر لیا تو مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ انعام میں دیا جائے گا۔ امداد طلب کرنے پر حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورہ سے ۲۶ھ میں ایک فوج روانہ کی۔ جس میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔

برقہ سے آگے بڑھے تو قیصر رُوم کا امیر لشکر (جرجیر) گرگوری ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلے کو نکلا۔ گرگوری نے اعلان کیا کہ جو جوان عبداللہ بن سعدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار انعام میں ملے گا اور میں اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کر دُوں گا۔ اسلامی لشکر نے یہ اعلان سُن کر فیصلہ کیا کہ" ابنِ سعدؓ آج میدانِ جنگ میں نہ آئیں۔"

دونوں فوجوں کے درمیان خونریز جنگ ہو رہی تھی کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کمک لے کر پہنچ گئے۔ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے جب اُنھوں نے عبداللہ کو میدانِ جنگ میں نہ دیکھا تو پُوچھا کہ "ابن سعدؓ کہاں ہیں؟" جب اہل لشکر نے گریگوری کے اعلان کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اعلان کر دیا کہ "جو شخص گریگوری کو قتل کرے گا، ایک لاکھ دینار انعام پائے گا اور اُس کی بیٹی سے اُس کی شادی کر دی جائے گی۔ اِس کے علاوہ اُس کو یعقوبہ کا والی بنا دیا جائے گا۔"

چند روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر ایک دن مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ جس میں عیسائی شکست کھا کر بھاگے۔ گریگوری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ چنانچہ آپ کی شادی اس کی لڑکی سے کر دی گئی۔ اس لڑائی میں بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ وعدہ کے مطابق عبداللہ بن سعدؓ کو مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ انعام دیا گیا۔

سنہ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ بہت سے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حجّ بیتُ اللہ کو مکّہ معظّمہ تشریف لے گئے۔

سنہ ۳۰ھ میں قیصرِ رُوم نے چھ سو کشتیوں کا ایک بیڑا لے کر مصر پر حملہ کیا۔ شام سے امیر معاویہؓ اپنی بحری فوج لے کر ابنِ سعدؓ کی امداد کو پہنچ گئے۔ جب سمندر میں اسلامی فوج کا رُومیوں سے مقابلہ ہُوا تو مسلمانوں نے اپنی کشتیوں کو ایک دُوسرے سے باندھ دیا اور سطحِ سمندر پر میدان کی طرح جنگ کی۔ رُومیوں نے اس جنگ میں شکست کھائی اور بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اس طرح نہ صرف اسلامی بحری بیڑہ کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ بلکہ شام اور افریقہ کے ساحل بھی رُومیوں کے بحری حملہ سے محفوظ ہو گئے۔

سنجر، جیلان اور جرجان کے باشندے باغی ہو گئے۔ قارون نامی ایک شخص نے خراسان میں بغاوت کر دی۔ طبسین، ہرات، بادغیس، اور قہستان وغیرہ کے لوگ بھی شورش میں شریک ہو گئے اور نیشا پُور پر حملہ کر دیا۔ مگر عبداللہ بن حازم نے قارون کے ساتھ جنگ کر کے اُسے مع

اس کے بہت سے ساتھیوں کے قتل کر دیا اور خراسان پر قبضہ کر کے ملک میں امن و امان بحال کیا۔ اسی اثنا میں بلخ، جوزجان، طالقان، جوال، غور اور گرجستان کی قوموں نے بھی سر اُٹھایا۔ لیکن ان کی سرکوبی کر کے امن قائم کر دیا گیا۔ اس جنگ سے خراسان کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان اسراف کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جائیداد بنانے اور دولت جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی حضرت ابُوذر غفّاریؓ اس کے خلاف تھے اور شام کے مسلمانوں کو دولت جمع کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ لیکن دولت کا لالچ بہت بُری چیز ہے۔ حضرت ابُوذرؓ غفّاری کی نصیحت کو شام کے اُمرا ناپسند کرتے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے انھیں مدینہ منوّرہ میں بُلا کر مضافاتِ مدینہ میں بھیج دیا۔

حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

دستِ مُبارک میں ایک انگوٹھی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت اُبوبکر صدیق رضؓ کے پاس آئی اور پھر حضرت عمر رضؓ کو اور حضرت عمر رضؓ کے بعد حضرت عثمان رضؓ کو ملی۔ یہ انگوٹھی ۳۰ھ میں حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر گئی۔ ہر چند تلاش کی گئی۔ مگر نہ ملنی تھی نہ ملی۔ اس انگوٹھی پر "لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمّد رسُولُ اللہ" کندہ تھا۔

حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانے میں سردارانِ قریش کو مدینے سے باہر جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ اگر کوئی جانا چاہتا تھا تو اُسے ایک خاص مُدّت کے لیے اجازت دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جنگوں میں شرکت کی خواہش کو روک دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو، اُن کا ثواب تمھارے لیے کافی ہے۔

حضرت عمر رضؓ کے اس خیال سے اگرچہ لوگ مُطمئن نہ تھے۔ مگر ان کے سامنے کسی کو بات کرنے کی جُراَت نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضؓ فرمایا

کرتے تھے کہ "مجھے سب سے زیادہ یہ اندیشہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں سے نکل کر دوسرے شہروں میں منتشر ہو جاؤ گے تو تمھاری راؤں میں اتحاد نہ رہے گا اور تمھارے اختلاف سے اُمت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اس پابندی کو دُور کر دیا اور یہ لوگ دوسرے شہروں اور ملکوں میں جا جا کر آباد ہونے لگے۔

دُوسرے لوگ اہلِ قریش کو رسُولِ کریم کی قرابت کی وجہ سے عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جہاں بھی گئے، لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ بعض حاشیہ نشین تو اس امیّد پر ان سے متعلّق ہو گئے کہ کبھی یہ بھی خلیفہ ہوں گے۔ دلوں سے یہ خواہشیں زبانوں پر آنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ خلیفہ کی نرم مزاجی نے فتنہ پرداز لوگوں کو شرارت کا زیادہ موقع دیا۔ اس شورش میں کوفہ، بصرہ اور مصر کے لوگ شامل تھے۔

کوفہ میں حضرت عثمانؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص

کو گورنر مقرّر کیا تھا۔ مگر کسی وجہ سے اُنھیں معزُول کر کے ولید رضؓ بن عقبہ کو ان کی جگہ گورنر مقرّر کیا۔ لوگوں سے ولید کا سلوک اچھّا تھا۔ مگر ایک مجرم کو سزا دینے پر اُس کے قبیلے کے لوگ مخالف ہو گئے اور دربارِ خلافت میں اُس کی شکایتیں پہنچنے لگیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے ولید کو موقُوف کر کے سعید بن عاص کو کوفہ کا حاکم مقرّر کر دیا۔

سعید نے کُوفہ کی حالت نہایت خراب دیکھی تو دربارِ خلافت میں مفصّل رپورٹ بھیجی کہ جب تک فتنہ پرداز لوگ کوفہ سے نکالے نہ جائیں گے، یہاں کا انتظام قائم رکھنا مشکل ہو گا۔ دربارِ خلافت سے حکم ہُوا کہ ان کو شام بھیج دیا جائے۔ جس پر دس بارہ آدمی شام میں امیر معاویہ رضؓ کے پاس بھیج دیے گئے اور معاویہ رضؓ کو لکھا کہ ان کو سمجھاؤ۔ لیکن جب معاویہ رضؓ کی بھی تمام کوشش بے کار ثابت ہوئی تو اُنھیں عبدالرحمٰن بن خالد رضؓ کے پاس حمص میں بھیج دیا گیا۔ عبدالرحمٰن نے جب ان کی اچھی طرح گوشمالی کی تو یہ تائب ہو گئے۔ انھیں معافی دے کر واپس کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

جُونہی یہ لوگ پھر کُوفہ میں پُہنچے، اُنھوں نے عمّالِ حکومت اور خود حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ اِس پر سعیدؓ بن عاص حاکمِ کوفہ خود مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے اور جنابِ خلیفہؓ کو اُن کی تمام کارروائیوں سے آگاہ کیا۔ جب سعیدؓ واپس کُوفہ کو لَوٹے تو راستے میں اُنھیں معلوم ہُوا کہ مالک اُشتر فساد پر آمادہ ہے۔ چنانچہ یہ مدینہ واپس لَوٹ آئے اور پھر ابو موسیٰ اشعریؓ کو کُوفہ کا حاکم مقرّر کیا گیا۔ جس سے اہلِ کُوفہ خوش ہو گئے۔

اسی دَوران میں بصرہ میں ایک شخص عبداللہ بن سبا نے سر اُٹھایا۔ یہ صنعاء کا یہودی تھا۔ مگر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ اُس نے جب مسلمانوں میں اندرونی چپقلش دیکھی تو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کے منصُوبے سوچنے لگا۔ اُس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے پوشیدہ طور پر ایک وسیع سازش بنائی۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دِل سے محبّت و عزّت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس آڑ میں اُس

نے مسلمانوں کو ایک دُوسرے کے خلاف بدظن کرنا شروع کر دیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "مجھے مسلمانوں پر سخت افسوس آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آلِ پیغمبرؐ سے محبّت کا دعوےٰ تو بہت کرتے ہیں مگر اُن کے ہوتے ہوئے دُوسروں کی حکومت پسند کر لیتے ہیں۔" وہ یہ بھی کہتا کہ "مُسلمانو! تمھارا بھی خوب عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تو دوبارہ دُنیا میں آئیں گے لیکن اس کے قائل نہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی دوبارہ دُنیا میں تشریف لا سکتے ہیں۔ غرضیکہ اس ہوشیاری اور چالاکی سے یہ زہر مسلمانوں کے دلوں میں بھر دیا کہ کسی نے اُسے محسُوس تک نہ کیا۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ یہ شخص حُبِّ آلِ رسُولؐ کی تعلیم دے رہا ہے، اس کی گفتگو کو عقیدت مندی کے ساتھ سُننے لگے۔

عبداللہ بن عامرؓ حاکم بصرہ کو عبداللہ بن سبا کے کرتوتوں کا علم ہوا تو اُس نے اُس کو بُلا کر پُوچھا کہ "تم کون ہو؟" اُس نے کہا کہ میں "اہلِ کتاب میں سے ہوں۔ دینِ اسلام کا ذوق رکھتا

ہُوں۔" اُنھوں نے کہا کہ "تُمھاری جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ وہ گمراہ کُن ہیں۔ میں تمھارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا۔ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ تم بصرہ سے نِکل جاؤ۔" یہ بصرہ سے نکل کر کُوفہ میں آیا اور چونکہ کُوفہ کے لوگ پہلے سے ہی حضرت عثمان رضؓ کے خلاف تھے۔ اِس لیے اُسے یہاں خُوب زہر پھیلانے کا موقع ملا۔ مگر تھوڑی مدّت کے بعد ہی یہاں سے بھی نکال دیا گیا اور مصر پُہنچا۔

مصر میں پُہنچ کر اُس نے ایک خُفیہ جماعت بنائی۔ اس جماعت میں سے جن کو اپنا ہم خیال اور معتمد خیال کرتا تھا، اُنھیں اسلامی حکومت کے دُوسرے صُوبوں میں اپنے خیالات و عقائد کی تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔ اس سے تمام ملک میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو حضرت علی رضؓ کو ہی خلافت کا صحیح حقدار خیال کرتی تھی۔ جب صحابہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو اُنھوں نے حضرت عثمان رضؓ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے لاعلمی ظاہر کی اور ملک کے مختلف حِصّوں میں معتبر صحابی بھیجے گئے

لیکن یہ تحریک ایسے خُفیہ طریق پر چل رہی تھی کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ عمارؓ بن یاسر مصر میں بھیجے گئے۔ جب یہ واپس آئے تو حضرت عبدُ اللہ بن سعد والیٔ مصر نے لکھا کہ یہ بھی عبدُاللہ بن سبا کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔

مصر میں دو شخص محمد بن ابی حُذیفہ اور محمّد بن ابی بکر حضرت عثمانؓ کے سخت دشمن تھے۔ محمّد بن ابی حذیفہ یتیم ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ہی انھیں اپنی آغوشِ شفقت میں پرورش کیا۔ جب بڑے ہوئے تو خواہش کی کہ مجھے "بھی کسی صُوبے کا گورنر مقرّر کیا جائے"۔ حضرت عثمانؓ نے اُنھیں اس قابل نہ سمجھتے ہوُئے اِنکار کر دیا۔ چنانچہ وہ مصر چلے آئے اور حضرت عثمانؓ کے دشمن ہو گئے۔

محمّد بن ابی بکر کی مخالفت کا سبب یہ تھا، کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مقدّمہ میں اِن کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔ سبائی جماعت نے اُنھیں سبز باغ دکھا کر مصر میں بُلا لیا تھا۔

عمار بن یاسر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار ان میں اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں سخت کلامی ہو گئی۔ اس پر حضرت عثمان رضؓ نے دونوں کو سزا دے دی۔ سبائی جماعت نے اُس کینہ کا جوش دِلا کر اُن کو بھی اپنے ساتھ مِلا لیا۔

عبداللہ بن سبا نے کوشش کی کہ وہ جلیلُ القدر صحابہ رضؓ کو بھی اپنے قابُو میں لے آئے۔ چنانچہ وہ حضرت ابو درداء رضؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو اُنھوں نے اُس کی گفتگو سُن کر دُھتکار دیا اور فرمایا کہ تُو یہُودی ہے۔ اِسی طرح شام میں جب وہ حضرت عبادہ رضؓ بن صامت کے پاس گیا تو وہ اُسے پکڑ کر امیر معاویہ رضؓ کے پاس لے گئے کہ یہ ایک مفسدہ پرداز شخص معلوم ہوتا ہے۔

جب سبائی فتنہ سارے ملک میں پھیل گیا اور خود مدینہ منوّرہ کے لوگ اس پروپیگنڈہ کے باعث خلیفہ سے بدظن ہو گئے تو حضرت عثمان رضؓ نے اِس کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ تمام ممالک کے امراء کو حج کے موقع پر جمع ہونے کا حکم بھیجیں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اس فتنے کے متعلق

اُن سے سوال کیا گیا کہ "یہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی شورش پھیلا رہے ہیں؟" سعیدؓ بن عاص نے کہا کہ یہ ایک خُفیہ گروہ ہے۔ اِس لیے اس کی پُوری تحقیقات کرنے کے بعد جو لوگ اس میں شریک پائے جائیں، انھیں باغی قرار دے کر قتل کر دینا چاہیئے۔ عبدُاللہ بن سعدؓ اور امیر معاویہؓ نے اِس کی تائید کی۔ عمروؓ بن العاص نے کہا کہ "یہ سب کچھ خلیفۂ وقت کی نرم مزاجی کی وجہ سے ہُوا ہے۔ حضرت عمرؓ کبھی ایسا نہ کرتے تھے اور جب مُلک میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوتا تھا تو شر اور فساد کے بانیوں کو سخت سزا دیتے تھے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ایسے لوگوں سے کسی قسم کی رعایت کی جائے۔"

سب کی رائے سُن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ کہ "میں نے تمھارے مشورے سُن لیے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ وہی فتنہ نہ ہو، جس کی خبر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم دے چکے ہیں۔ شرعی حدُود میں کسی قسم کی کوتاہی بلاشبہ دُرست نہیں۔ لیکن جن امُور میں شریعت مجھے کسی پر سختی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اُن

میں ہرگز سختی کو روا نہیں رکھوں گا۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اور جو تقدیر میں ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ آپ لوگ اپنے اپنے علاقہ میں جائیں اور اس فتنہ کو روکنے کی کوشش کریں۔"

جب اُمرائے سلطنت، رخصت ہونے لگے تو امیر معاویہ رضؓ نے عرض کی کہ" آپ میرے ہمراہ ملکِ شام میں چلے چلیں۔ وہاں کوئی خطرہ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ کوئی نیا گل کھلائے۔" فرمایا کہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قُرب کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔ امیر معاویہ رضؓ نے کہا۔ اجازت ہو تو شام سے ایک مُعتبر فوج آپ کی حفاظت کے لیے بھیج دُوں۔" جواب دیا کہ" ایسا ہرگز نہ کرنا۔ یہ اہلِ مدینہ کو ناگوار ہو گا۔

پہلے تو سبائی جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ جب اُمرا حج کے لیے جائیں تو ان کی عدم موجودگی میں بغاوت کر کے ملک پر قبضہ کر لیں لیکن اس میں کُچھ ایسی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد یہ طے ہُوا کہ جب حضرت عثمان رضؓ حج سے فارغ ہو

کر مدینہ منورہ پہنچیں تو ہر طرف سے اس جماعت کے لوگ وفد کی شکل میں مدینہ منوّرہ پہنچ جائیں اور یہ مشہور کیا جائے کہ ہم خلیفہؓ سے سلطنت کے متعلق چند باتیں دریافت کرنے آئے ہیں۔ اِس پروپیگنڈے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مُسلمانوں کی ایک حق پرست جماعت خلیفہ سے بعض شکایتوں کا ذکر کرنے آئی ہے۔

جب یہ سب لوگ مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچ کر آپس میں مِل گئے تو حضرت عثمانؓ نے قاصد بھیج کر اُن کے آنے کی وجہ دریافت کی تو معلُوم ہُوا کہ اُن کا اندرونی منشا یہ ہے کہ جناب خلیفہؓ کی غلطیاں ان کے رُو برُو بیان کر کے اُن کو مسندِ خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبُور کیا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو اُن کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ نے مجلسِ شوریٰ قائم کر کے ان لوگوں کو بلایا اور ان کی شکایات سُن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ بعض نے کہا کہ "ان کو فوراً قتل کر دینا چاہیئے"۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک کسی سے کُفر

ظاہر نہ ہو یا حدِّ شرعی واجب نہ ہو، اس وقت تک سزا دینا انصاف سے بعید ہے۔" چنانچہ آپ نے ان کی شکایات کے معقول جواب دیئے۔ اُن میں سے سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ بڑے بڑے عہدے آپ نے اپنے عزیزوں کو دے رکھے ہیں۔" اس کے جواب میں فرمایا کہ اوّل تو بعض اُن میں میری خلافت سے پہلے امیر تھے اور دُوسرے جن لوگوں کو میں نے امیر مقرّر کیا ہے، اُن میں اس کام کے کرنے کی صلاحیّت موجُود تھی۔ عوام کو ان کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اِس لیے یہ بات کوئی قابلِ اعتراض نہیں ہے"۔ ہر اعتراض کے جواب میں حضُور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور شیخین کے طرزِ عمل کے حوالے دیئے گئے۔ اس کے بعد اِن وفود کو رُخصت کر دیا۔

لیکن ان لوگوں کا مقصد تو شورش پھیلانا تھا۔ چنانچہ دربارِ خلافت سے واپس آ کر انھوں نے چٹھیاں لکھیں کہ مصر، کُوفہ اور بصرہ سے اِن کی جماعت کے لوگ عمرہ کے بہانے نکلیں اور مدینہ منوّرہ میں آ کر جمع ہو جائیں۔ چند یوم میں ہزاروں

باغی مدینہ منوّرہ میں پہنچ گئے۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ عمرو بن الحکم اور حرقوس بن زبیر اس کے مددگار تھے۔ ان سب نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دینے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے وہ خلافت کا فیصلہ بھی کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک پارٹی حضرت زبیرؓ کے حق میں تھی۔ کچھ لوگ حضرت طلحہؓ کے بھی حامی تھے۔ لیکن ایک کثیر گروہ حضرت علیؓ کو مسندِ خلافت پر بٹھانے کا آرزومند تھا۔

جب یہ سب کچھ طے ہو چکا تو باقی سب لوگ تو مدینہ سے تین منزل پرے ٹھہر گئے اور دو آدمیوں کو مدینہ کی حالت دیکھنے کے لیے بھیجا۔ کیونکہ اُن کو اندیشہ تھا کہ اگر اہلِ مدینہ کو اُن کے آنے کی اطلاع مِل گئی تو وہ مقابلے کو تیار ہو جائیں گے۔ اِن لوگوں نے جب دیکھا کہ مدینہ میں کامل امن و سکون ہے تو حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ "ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہم کو خلیفہ کے پاس لے چلیں۔ تاکہ ہم ان سے درخواست کریں کہ اپنے ظالم امیروں

کو واپس بُلا لیں۔" لیکن کسی نے ساتھ جانے کی حامی نہ بھری۔

یہ لوگ واپس گئے اور تمام حالات اپنے ساتھیوں سے بیان کیے۔ اب کے پہلے سے زیادہ تعداد میں لوگ مدینہ منوّرہ آئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "حضرت عثمانؓ ہماری شکایتیں نہیں سُنتے۔ اس لیے آپ خلافت کو سنبھال لیں۔ اُنھوں نے انکار کر دیا۔ یہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس بھی گئے۔ مگر اُنھوں نے بھی صاف جواب دے دیا۔ اِس دَوران میں اُن کی جماعت مدینہ میں پُہنچ گئی۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا۔ "جو شخص اپنی تلوار کو میان میں رکھے گا، اُس کو امان ہے۔"

یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ ان مُفسدہ پردازوں کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ "یہاں سے جانے کے بعد تم لوگ واپس کیوں آ گئے"؟ اہلِ مصر نے کہا کہ "ہم کو ایک خط مِلا ہے۔ جو خلیفہؓ نے قاصد کے ذریعے والیِ مصر کو لکھا ہے کہ جب یہ لوگ وہاں پُہنچیں، اُنھیں قتل کر دیا جائے۔" اُن کا

بیان سُننے کے بعد حضرت علیؓ نے کُوفہ اور بصرہ کے لوگوں سے پُوچھا کہ "تم کس طرح آتے ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی امداد کے لیے آئے ہیں۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ تمھارا راستہ ان سے بالکل مخالف سمت کو ہے۔ تین منزل جانے پر تمھیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ مصریوں کے متعلق خلیفہ نے ایسا حُکم دیا ہے؟" اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمھارا بیان بالکل غلط ہے۔ تم نے پہلے ہی سازش کر رکھی تھی۔"

اُنھوں نے کہا کہ "آپ جو چاہے سمجھیں۔ ہمارے نزدیک اِس خلیفہ کا خُون بہانا جائز ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ "میں ہرگز تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" اس پر اُن لوگوں نے کہا کہ "آپ ہی نے تو ہمیں ایسا کرنے کے لیے لکھا تھا۔" اس پر حضرت علیؓ سخت متعجب ہُوئے اور فرمایا کہ "میں نے تم کو کچھ نہیں لکھا۔" اس کے باوجود وہ اپنی

ضد پر اڑے رہے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ مدینہ منوّرہ سے باہر چلے گئے۔

وہ فرمان جس کے متعلّق اُن کا دعوٰے تھا کہ اُنھوں نے خلیفہ کے قاصد سے حاصل کیا ہے، جب حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ "یا تو تم اس کے ثبوت میں دو معتبر گواہ پیش کرو۔ ورنہ میں قسم کھاتا ہوں کہ لِکھنا تو کُجا مجھے اس خط کا عِلم تک نہیں۔" باغیوں نے حضرت عثمانؓ کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور خلافت سے دست برداری کا مُطالبہ کیا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اِنکار کیا اور کہا کہ "امارت کا جو جامہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنایا ہے، میں خود اس کو نہیں اُتاروں گا۔"

چند دن تک تو یہ مسجد میں آ کر نماز ادا کرتے رہے۔ لیکن باغیوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے سے اِنکار کر دیا اور انھیں گھر میں ہی رہنے پر مجبور کر دیا۔

اِسی حالت میں تھے کہ حج کا وقت آ پہنچا۔ آپ نے محصوری کی حالت میں ہی عبداللہ بن عباسؓ

کو امیرِ حج مقرر کیا اور اپنی حالت لکھ کر دی کہ مسلمانانِ مکہ کے سامنے بیان کر دی جائے۔

جب باغیوں کو اس بات کا علم ہُوا تو اِس خیال سے کہ کہیں وہ لوگ جو مکہ میں حج کے لیے جمع ہوں گے، خلیفہ کی مدد کو نہ پہنچ جائیں، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس قصّے کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ گھر کے دروازے کو آگ لگا دی اور اس کو گرا کر اندر داخل ہو گئے۔ بعض لوگ ملحقہ مکانات سے کُود کر گھس آئے۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے اپنا معاملہ خُدا کے سُپرد کر دیا اور حضرت علیؓ، طلحہ اور زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فرزندوں کو واپس بھیج دیا، جو ان کی حفاظت کے لیے موجود تھے کہ تم اِس قلیل تعداد میں اس قدر باغیوں کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ اور خود قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ باغیوں نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے پے در پے وار شروع کر دیئے۔ آپ کی وفادار بیوی اُن کو بچانے کے لیے اُن کے اُوپر آ گریں۔ مگر ایک باغی کی تلوار سے اُن کی نصف ہتھیلی انگلیوں سمیت

کٹ کر دُور جا پڑی۔ ایک دُشمن نے بڑھ کر خلیفہ کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ اِس کے بعد باغیوں نے گھر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا اور مدینہ میں اُن کے قتل کا اعلان کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

باغیوں نے ۲۲ روز تک ان کے مکان کا محاصرہ کیے رکھا۔ حضرت عثمانؓ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۱۲ مئی ۶۵۶ء کو شہید کیے گئے۔ اسی منحوس تاریخ سے اُمّت میں ایک زبردست فتنہ شروع ہو گیا اور مُسلمان ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ نہایت نرم دل اِنسان تھے اُن کی نرمی ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کے دشمنوں کو فتنہ و فساد برپا کرنے کا موقع مل گیا اور خلافت کی عظمت جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دلوں پر چھائی ہوئی تھی، وہ اُٹھ گئی۔ یہاں تک کہ ایک روز کسی شخص نے اُس عصا کو توڑ کر پھینک دیا۔ جس کو ہاتھ میں لے کر حضرت عثمانؓ مسجد نبوی میں خُطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ عصا تھا جسے نبی کرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہاتھ میں لے کر خُطبہ ارشاد فرمایا

کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ہمیشہ اِس امر کی کوشش کی کہ اُن کی ذات سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو۔ جو اُمّت میں فتنہ کا باعث ہو۔ اکثر امور میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ صحابہؓ نے کئی دفعہ مشورہ دیا کہ اس شورش کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ لیکن آپ نے اس کو پسند نہ کیا۔

عبداللہ بن سبا نے سادہ دِل عوام کو رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کی آل کی محبّت کا فریب دے کر اپنے دام میں پھنسا لیا تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس پروپیگنڈے کا بڑے بڑے لوگوں پر اثر ہُوا اور بائیس روز تک حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ رہا۔ باغیوں نے پانی تک کی بندش کر دی۔ لیکن مدینہ والوں میں سے کسی کو اُن کے خلاف آواز بلند کرنے کی بھی جراَت نہ ہوئی۔

سب سے افسوس ناک یہ بات تھی کہ باغیوں نے قتل کرنے کے بعد اُن کے دفن کرنے کی

بھی اجازت نہ دی۔ آخر خفیہ طور پر چند آدمیوں نے اُن کو دفن کیا۔ حضرت جبیرؓ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بڑے نیک، بُردبار اور انصاف دوست تھے۔ حُسنِ صُورت وسیرت اور دانائی میں مشہُور اور قریش میں ہر دل عزیز تھے۔ خُوش خُلقی، عبادت اور تقوٰی میں بہت ممتاز تھے۔ صحابہؓ میں کتابُ اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ قرآن سے اِن کو سیری نہ ہوتی تھی۔ ساری ساری رات تلاوت میں بسر کر دیتے تھے۔ آپ نے قرآن کریم کے کئی صحیح نسخے مُرتّب کرائے اور ہر صُوبے میں بھیجے۔ جن میں سے بعض اب تک موجود ہیں۔

کوئی سائل حضرت عثمانؓ کے دروازے سے خالی نہیں پھرا۔ ابتدائے اسلام میں جب بھی رُوپے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیاتِ پاک میں آپ کو تین دفعہ جنّتی ہونے کی بشارت

دی - ایک اُس وقت جب آپ نے مسجد نبویؐ کے اِرد گرد کی زمین وقف کر دی - دُوسری دفعہ جب ایک کنواں ایک لاکھ روپے میں خرید کر وقف کیا اور تیسرے جب غزوہ تبوک میں بے شمار مال حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرتؐ کو حضرت عثمانؓ سے اس قدر محبّت تھی کہ جب آنحضرتؐ کی دُوسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثومؓ بھی انتقال کر گئیں تو سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اگر میری کوئی تیسری لڑکی شادی کے قابل ہوتی تو میں اس کا نکاح عثمانؓ ہی سے کرتا۔"

جو لوگ سب سے پہلے مُسلمان ہُوئے - اُن میں حضرت عثمانؓ کا پانچواں نمبر ہے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ منوّرہ میں دو دفعہ آپ کو اپنا جانشین مقرّر فرمایا اور صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ اقدس کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ نمازِ جمعہ سے قبل اذان دینا آپ نے قائم کیا۔ تکبیر کو آہستہ آواز میں کہنا آپ ہی کے زمانے میں جاری ہُوا۔

ساری عمر کسی سے ایک پائی نہیں لی۔ یہاں تک کہ عہدِ خلافت میں بھی بیت المال سے کوئی وظیفہ نہ لیتے تھے۔ آپ نے ہزاروں غلاموں کو آزاد کیا۔ مدینہ کی کوئی گلی ایسی نہ تھی۔ جہاں آپ کا خرید کردہ آزاد چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ ہر جمعہ کے روز ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے اور ہمیشہ مہمانوں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتے۔ مگر خود سرکہ اور روغن زیتون سے ہی روٹی کھاتے۔ شام کا کھانا برائے نام تھا۔

جب مدینہ منوّرہ میں قحط پڑا تو آپ نے اپنے خرچ پر ایک عام لنگر جاری کر دیا۔ جہاں سے ہزاروں لوگ مہینوں مُفت کھانا حاصل کرتے رہے۔

آپ نے ہمیشہ موٹے جھوٹے لباس میں ہی زندگی بسر کی۔ سفر میں ہوتے تو اپنے غلام کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔

رَضِیَ اللہُ عَنہُ۔

چوتھے خلیفہ

حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خلیفہ قرار پائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ ہجرت سے اکیس سال پہلے خانۂ کعبہ میں پیدا ہُوئے۔ اُن کا اصلی نام علیؓ اور کُنیت ابُوالحسن، ابُوتراب ہے۔ ماں نے ان کا نام حیدر رکھا۔ جس کے معنی پھاڑنے والا شیر ہے۔ امین، شریف، مرتضیٰ، اسدُ اللہ اور امیرُالمومنین ان کے القاب ہیں۔

خاندانی اعتبار سے آپ دونوں طرف سے ہاشمی ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا زاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ آپ کے والد کا نام ابُوطالب بن عبدُالمطلب ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر آٹھ سال

کی تھی کہ آپ کے دادا عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر وہ حضرت علیؓ کے والد یعنی اپنے چچا حضرت ابُوطالب کے پاس گئے اور ابُو طالب کی وفات تک چچا کے ساتھ رہے۔ ابُوطالب آنحضرتؐ کے لیے باپ کے برابر تھے۔ باوجودیکہ بظاہر اُنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، تاہم ان کو ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی اُن کے بھتیجے کو تکلیف دے۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک ابُو طالب زندہ رہے۔ آنحضرتؐ مصائب سے بچے رہے۔

حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ بن ہاشم تھیں۔ ان کا شجرۂ نسب بھی دُوسری پُشت میں رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جا ملتا ہے۔ جناب رسُولِ خداؐ کو ان کی والدہ سے اس قدر محبّت تھی کہ حضورؐ انھیں ماں کہا کرتے تھے۔

عرب کے رواج کے مطابق حضرت علیؓ قبیلہ بنی ہلال کی ایک دایہ کے سپُرد تھے۔ جس نے دو ڈیڑھ سال تک پرورش کی اور دُودھ پلایا۔ اس کے بعد اپنی والدہ کے پاس چلے آئے۔ بچپن سے ہی آنحضرتؐ کو حضرت علیؓ سے ایک خاص محبّت

بھی جو آخر وقت تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ پھر یہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے داماد بنے۔

جس وقت رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نبوّت کا اعلان کیا۔ اُس وقت اِن کی عمر نو، دس سال کی تھی۔ بچّوں میں سب سے پہلے آپ ہی مُشرّف باسلام ہُوئے۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کا یہ عالم تھا کہ رسالت پناہؐ کی زبان سے جو بات نکلتی تھی۔ آپ اُس کو پُورا کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

دُوسرے صحابہؓ کی طرح حضرت علیؓ کو بھی کُفّارِ قریش کے ہاتھوں بہت سی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ جب آپ کے والد ابُو طالب نے انتقال کیا تو اُس وقت اُن کی عمر بیس سال تھی۔

ابُو طالب کی وفات کے بعد کفّار نے رسُولِ کریمؐ کو پہلے سے زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اُس وقت تک جس قدر لوگ اسلام قبُول کر چکے تھے، آنحضرتؐ نے اُنھیں ہجرت کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ مکّہ میں رہ گئے۔ جس رات آنحضرتؐ نے مکّہ سے روانگی کا ارادہ فرمایا اور کفّار کو آپؐ کے ارادے کا علم ہو گیا تو وہ آنحضرتؐ کے قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم خود تو حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اپنے مکان پر حضرت علیؓ کو سُلا دیا اور حکم دیا کہ "لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں، اُن کو ادا کر کے مدینہ چلے آنا۔" کفّار ننگی تلواریں لیے چاروں طرف سے مکان کو گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ بے خوف چادر اوڑھ کر سو رہے۔ صُبح جب کفّار نے دیکھا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم چلے گئے ہیں تو سخت پریشان ہوئے۔

جناب امیرؓ نے لوگوں کی امانتیں واپس کیں اور مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ مدینہ سے دو تین میل اِدھر ہی موضع قبا میں جہاں آنحضرتؐ نے چند روز قیام فرمایا تھا، آنحضرتؐ سے جا ملے، اور مسجد قبا کی تعمیر میں حصّہ لیا۔

غزوۂ بدر میں جب کفّار نے للکارا کہ ہم اپنے جیسوں کو میدانِ جنگ میں بُلاتے ہیں، انصار سے نہیں لڑیں گے تو فوراً حضرت علی مرتضیٰ رضؓ میدان میں آ گئے۔ شدید لڑائی ہوئی۔ آپ کی تلوار نے سیکڑوں کفّار کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ جنگ اُحد میں حضرت علیؓ نے کفّار کے گیارہ علمبردار ہلاک کیے۔ جب مسلمانوں میں بھاگڑ پڑ گئی، تو سب سے پہلے حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے پاس پہنچے، اور کُفّار کے حملوں کو روکتے رہے۔ اِسی موقع پر آنحضرتؐ نے ذُوالفقار نامی تلوار مرحمت فرمائی۔ جس سے آپ نے بے شمار کافروں کو تہ تیغ کیا۔ اِسی جرأت کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "علیؓ! آسمان کے فرشتے بھی تمہاری بہادری کی تعریف کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ دُنیا میں علیؓ سا جوانمرد اور ذوالفقار ایسی تلوار نہیں۔"

غزوۂ خندق میں کافروں میں ایک مشہور و معروف پہلوان عمرو بن عبدِ وُد تھا۔ جو ایک ہزار جنگجُو بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے میدان میں آ کر للکارا "جس کو موت سے محبّت

ہے وہ میرے سامنے آئے۔" اس پر حضرت علیؓ آنحضرتؐ کی اجازت لے کر مقابلے کو نکلے۔ عمرو بن عبدِ ود نے وار کیا۔ جسے آپ نے خالی دیا اور ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ عمرو کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

غزوہ خیبر کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ جس کا خُلاصہ یہ ہے کہ وادیٔ خیبر میں یہودیوں نے کئی قلعے بنا رکھے تھے۔ اُن کی تسخیر کے لیے الگ الگ صحابہؓ مقرّر تھے۔ اُن میں سے ایک قلعہ کِسی سے فتح نہ ہو سکا۔ آخر ایک رات آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "صُبح اُس بہادر کو عَلَمِ اسلامی عطا کیا جائے گا، جس نے کسی لڑائی سے مُنہ نہ موڑا ہو۔" بڑے بڑے صحابہؓ میں سے ہر ایک کو اُمید تھی کہ عَلَم اُسے ہی ملے گا۔ چونکہ حضرت علیؓ کی آنکھیں دُکھتی تھیں۔ اس لیے اُن کی طرف کسی کا دھیان ہی نہ گیا۔

اگلے دن جب سب صحابہؓ جمع ہُوئے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "علی مرتضٰی کہاں ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا کہ اُن کی آنکھیں

دُکھتی ہیں۔ اِس لیے حاضر نہیں ہو سکے۔" فرمایا کہ اُن کو بُلایا جائے۔" جب وہ آئے تو آنحضرتؐ نے اپنا دہن کا لُعاب اُن کی آنکھوں پر لگایا۔ جس سے آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں۔ اِس کے بعد اسلامی پرچم اُن کے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ "انشاء اللہ فتح تمھارے ہاتھ ہو گی۔ حضرت علیؓ نے جاتے ہی قلعے کے نیچے جھنڈا گاڑ دیا۔ اُوپر سے ایک یہُودی نے پُوچھا" کون ہے جو اس طرح بیخوف ہماری سرحد میں آ گیا ہے؟" آپ نے جواب دیا۔ "میں علیؓ ابنِ ابی طالب ہوں۔" اِس پر یہودی چیخ اُٹھا کہ "توریت کی قسم! اب ہماری خیر نہیں۔" چنانچہ گھمسان کا رَن پڑا اور یہودیوں کا سپہ سالار مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ مرحب کے قتل ہوتے ہی مخالفین کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے جاتے ہی قلعے کا وزنی دروازہ ہاتھ سے اُکھاڑ کر خندق کی چوڑائی پر رکھ دیا۔ جس سے ایک پُل بن گیا۔ اِسے عبور کر کے لشکرِ اسلام فتح کے نعرے لگاتا ہُوا قلعے میں داخل ہو گیا۔

فتح مکّہ اور غزوۂ حُنین اور طائف میں بھی آپ شریک رہے۔

حضرت اُبوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ عدالت کے کام پر متعیّن رہے۔ آپ کے فیصلوں کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں علاوہ عدالت کے مشیر اوّل بنائے گئے۔ چنانچہ جب دو دفعہ حضرت عمرؓ سیاسی کام سے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ ہی نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے چند صحابہؓ کو فتوٰی کی اجازت دے رکھی تھی۔ جن میں حضرت علیؓ کو اولیّت کا فخر حاصل تھا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ مشیر اور قاضی تو رہے مگر سلطنت کے معاملات میں بہت کم دخل دیتے تھے بلکہ ایک حد تک گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ تاہم آپ سے مشورہ ضرور لیا جاتا تھا۔

جب عبداللہ بن سبا یہُودی نے آپ کے نام کی آڑ لے کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا تو

آپ نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ اس بغاوت کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ اگر بے جا نرمی سے کام لیا گیا تو یہ فتنہ بہت بڑھ جائے گا۔ جب باغیوں نے علانیہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ حضرت علیؓ کی ایماء سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو آپ نے اس سے قطعی انکار فرمایا اور مدینہ سے باہر چلے گئے۔

جب باغیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چل کر خلیفہ کے سامنے اُن کے مظالم کا اظہار کریں تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس کے برعکس اپنے صاحبزادوں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا۔ لیکن باغیوں نے کسی کی نہ سُنی اور حضرت عثمانؓ بے رحمی سے شہید کر دیئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد حضرت علیؓ کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور ایک خُطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں فتنہ و فساد سے پرہیز اور

تقویٰ کی طرف توجّہ دلائی۔

خطبہ کے بعد صحابہؓ کی ایک جماعت اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ شرعی حدود کو قائم رکھے۔ اِس لیے جو لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، ان سے قصاص لیا جائے۔" اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "یہ دُرست ہے۔ لیکن کچھ امن و امان ہو لینے دو۔"

یہ جواب سُن کر لوگ واپس چلے آئے لیکن اس سے دو متضاد خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے لگے۔ بعض نے تو اس جواب کو معقول سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ مگر بعض کا خیال یہ تھا کہ اگر باغیوں کی یہی حالت رہی تو ہم قصاص نہ لے سکیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بنی اُمیّہ اور بعض دُوسرے صحابہؓ مدینہ سے نکل گئے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد کے تمام گورنروں کو معزول کر کے اُن کی جگہ اپنے مُعتمد آدمی مقرّر کر دیئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور

حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو عقلمندی ہیں سارے عرب میں مشہور تھے، انھیں اس کا انجام سمجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن حضرت علیؓ نہ مانے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض گورنروں نے نہ صرف بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے والیوں کو چارج بھی نہ دیا۔

امیر معاویہؓ گورنروں میں سب سے زیادہ با اثر تھے۔ وہ خاندان بنو امیّہ سے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کے طرف دار شام میں آ آ کر جمع ہونے لگے۔ اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کے پاس ایک قابلِ اعتبار فوج بھی تھی۔ جو امیر معاویہؓ کو خلافت کا حق دار سمجھتی تھی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے جب انھیں معزولی کا حکم ملا تو انھوں نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا اور ایک خالی کاغذ پر اپنی مہر لگا کر حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے جب قاصد سے اس کا مقصد دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور

آپ کی بیوی کی کٹی ہوئی ہتھیلی دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر پڑی ہوئی ہے۔ جن پر ساٹھ ہزار لوگ ماتم کر رہے ہیں اور وہاں کے لوگ خلیفۂ شہید کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں" حضرت علیؓ نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا" اے خُدا! تو گواہ ہے کہ میں عثمانؓ کے خُون سے بری ہوں"

اسی دوران میں اطّلاع ملی کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کا مُطالبہ کر رہے ہیں۔

جن دنوں حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے محصُور کر رکھا تھا۔ حضرت عائشہ صدّیقہؓ حج کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ وہیں اُنھیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ جس کا اُنھیں سخت صدمہ ہُوا۔ اُنھوں نے حرم میں مسلمانوں کے سامنے ایک زبردست تقریر فرمائی۔

مکّہ کے حاکم اس وقت عبداللہ بن حضرمی تھے، بصرہ سے یعلیٰ ابن اُمیّہ بھی آ گئے۔ مدینہ سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی پہنچ گئے۔ ان

سب نے فیصلہ کیا کہ بصرہ چل کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے۔ مروان اور بنی اُمیہؓ کے اکثر لوگ اس قافلے میں شریک ہو گئے۔

جب یہ بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمانؓ بن حنیف جو حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ اُنھوں نے اُن سے بصرہ کی طرف آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ "ہم خلیفۂ مقتول کا قصاص مانگتے ہیں۔" اس پر عثمان نے پوچھا: "کیا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ "ہم سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔"

عثمان بن حنیف نے اُس قافلے کو بصرہ میں آنے سے روکنا چاہا۔ مگر سب لوگ ہم خیال نہ تھے۔ چنانچہ یہ اپنی جماعت لے کر قافلے کے بائیں پہلو پر مقام مربد میں ٹھہرے۔ بصرہ کے اکثر لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مل گئے۔ حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نے عوام

کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر کے اُبھارا۔ جس سے وہ عثمان بن حنیف کے ساتھ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بلند اور پُر رُعب آواز میں ایک زبردست تقریر ارشاد فرمائی۔ اُن کی تقریر سے نہ صرف فریقین میں لڑائی رُک گئی۔ بلکہ بہت سے مخالف لوگ آ کر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ فیصلہ یہ ہُوا کہ قاصد بھیج کر مدینہ منورہ سے معلوم کیا جاتے کہ اِن ہر دو حضرات کی بیعت کس طرح عمل میں آئی۔

چنانچہ بصرہ کے قاضی کو اس غرض کے لیے مدینہ منوّرہ روانہ کیا گیا۔ اُنھوں نے مسجدِ نبوی میں پکار کر کہا کہ "حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے رضامندی سے بیعت کی ہے یا جبر سے؟"

اِس پر عام لوگ چُپ ہو گئے۔ لیکن اُسامہ بن زیدؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "جبراً بیعت لی گئی ہے۔" یہ سُننا تھا کہ حضرت علیؓ کے چند حامی اِس قدر برافروختہ ہو گئے کہ اگر صُہیبؓ، اُبو ایّوب انصاریؓ اور محمّد بن مسلم رضی اللہ عنہم

بیچ بچاؤ نہ کر دیتے تو لوگ یقیناً حضرت اُسامہؓ کو مار ڈالتے۔

جب حضرت علیؓ کو اس بات کا علم ہوا تو اُنھوں نے حضرت عثمان بن حنیف کو خط لکھا کہ" جب یہ لوگ بیعت کر کے مُنحرف ہو چکے ہیں تو ان سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

بصرہ کا قاضی اور حضرت علیؓ کا یہ خط ایک ساتھ بصرہ پہنچے۔ حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نے عثمان کو پیغام بھیجا کہ" چونکہ ہماری بات کی تصدیق ہو گئی ہے، اِس لیے تمھیں ہمارا ساتھ دینا چاہیئے۔" اُنھوں نے جواب دیا کہ میں خلیفہ کا حکم مانوں گا۔" اِس پر فریقین میں لڑائی ہو گئی، اور عثمانؓ گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن بعد میں حضرت عائشہ صدّیقہؓ کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے اور اُنھیں اجازت دی گئی کہ جہاں اُن کا جی چاہے چلے جائیں۔ یہ مدینہ میں حضرت علی علیہ السّلام کے پاس چلے گئے۔ حکیم بن جبلہ اور اُس کے بہت سے ساتھی جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، اِس جنگ

میں مارے گئے۔

حضرت علیؓ شام پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مگر بصرہ کے حالات دیکھ کر اس طرف کا رُخ کیا۔ باوجود حضرت ابُو موسٰی اشعری کے منع کرنے کے کُوفہ کے ہزاروں لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

بصرہ کے قریب پُہنچ کر حضرت علیؓ نے ایک قاصد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا۔ "خلیفہٗ مقتول کا قصاص قصاص نہ لینا قرآن شریف کے حکم کو پس پُشت ڈالنا ہے۔"

قاصد نے سارا ماجرا حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں آ کر پیش کر دیا۔ اگلے دن حضرت علیؓ بصرہ کی طرف چلے اور حکم دیا کہ "ہمارے لشکر کے وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، ہم سے الگ ہو جائیں اور ہمارے ساتھ شہر میں داخل نہ ہوں۔"

عبدُ اللہ بن سبا کو مُسلمانوں میں صُلح کا ہو

جانا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ اُس نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا۔کہ" اگر ان میں صُلح ہو گئی تو ہماری خیر نہیں۔ اِس لیے بہتر یہ ہے کہ ساتھ ساتھ لگے رہو اور جب دونوں فریق آپس میں ملیں تو لڑائی شروع کر دو تاکہ اِن میں مصالحت کی کوئی صُورت ہی پیدا نہ ہو سکے۔"

فریقین میں صُلح کی گُفت و شنید شروع ہو گئی۔ شام تک شرائط صلح طے ہو گئیں اور دونوں فریق اطمینان سے سو رہے لیکن سبائیوں کو رات نیند نہ آئی۔ صُبح ہوتے ہی سبائی جماعت نے ایک طرف مخالفین پر حملہ کر دیا۔جب حضرت طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ نے لوگوں سے اس شورش کا سبب دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ "کُوفیوں نے حملہ کر دیا ہے۔" دُوسری طرف حضرت علی رضؓ سے کہا گیا کہ" اہل بصرہ نے رات ہم پر حملہ کر دیا تھا۔" جس پر ہم لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس شرارت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔

جنگِ جمل ایک طرف سے حضرت علی رضؓ سوار ہو کر

نکلے تو دوسری طرف سے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ صدّیقہ اُونٹ پر ہودج میں بیٹھ کر میدانِ جنگ میں آ گئیں۔ شدید جنگ ہوئی۔ لوگ حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہودج میں اِس قدر تیر لگے کہ وہ تیروں سے چھدا ہوا تھا۔

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لڑائی کسی صُورت بھی ختم ہوتی نظر نہیں آتی تو آپ نے حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ ہودج کا گرنا تھا کہ اہلِ بصرہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ گے۔ محمد بن ابی بکر اور عمّار بن یاسر نے ہودج کی رسّیاں کاٹ دیں اور حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ میں لے جایا گیا۔

اِس جنگ میں دونوں طرف سے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے۔ جن میں حضرت طلحہ رضؓ، اُن کے بیٹے محمد اور کئی نامور قریش شامل تھے۔ حضرت زبیر رضؓ مدینہ کو چل دیئے۔ مگر راہ میں شہید ہو گئے۔

قیامِ امن کے بعد حضرت علیؓ اُمّ المومنین رضؓ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ گفتگو کے بعد آپ کو مدینہ منوّرہ بھیجنے کا انتظام کر دیا گیا۔ جب حضرت اُمّ المؤمنین کی روانگی بصرہ سے عمل میں آئی تو حضرت علی رضؓ اور حضرات حسنین رضؓ کئی منزل تک پا پیادہ آپ کے ہمراہ گئے۔ اِس طرح فریقین میں جو غلط فہمی پیدا ہو چکی تھی، وہ دُور ہو گئی۔ حضرت محمد بن ابی بکر رضؓ انھیں مدینہ منوّرہ تک چھوڑنے آئے۔ چونکہ اس جنگ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ اُونٹ پر سوار تھیں۔ اس لیے اس جنگ کو جنگِ جمل یعنی "اُونٹ کی جنگ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دار الخلافہ کی تبدیلی مدینہ منوّرہ میں حالات بہت خراب ہو رہے تھے۔ اِس لیے حضرت علی رضؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ مدینہ کی بجائے کُوفہ کو دارُالحکومت بنایا جائے۔ یہاں اُن کے حامی بھی بہت کافی تعداد میں تھے۔ چنانچہ ۱۲ رجب ۳۶ھ بروز دوشنبہ کو آپ کُوفہ میں داخل ہوئے۔ میدان میں ٹھہرے اور جمعہ کے روز نہایت ولولہ انگیز تقریر کی۔ کُوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لینے کے

بعد حضرت علیؓ نے مُلکی انتظام کو بہتر بنانے کی طرف اپنی توجّہ مبذول کی۔

شام میں اس وقت امیر معاویہؓ گورنر تھے۔ اُن کے سرداروں اور سپاہیوں نے قسم کھا رکھی تھی، کہ جب تک خلیفۂ مقتول کا قصاص نہ لے لیں گے۔ اُس وقت تک کسی دُنیاوی خوشی میں حِصّہ نہ لیں گے اور فرش پر سویا کریں گے۔

کُوفہ میں قیام کے فوراً بعد حضرت علیؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ایک نمائندہ کو امیر معاویہؓ سے بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اور حضرت علیؓ پر یہ الزام بھی لگایا کہ "اگرچہ یہ خلیفۂ مظلوم کے قاتلوں میں نہیں۔ تاہم ان کے حامی ضرور ہیں۔"

نمائندہ نے واپس آ کر جب حضرت علیؓ کو تمام حالات سے باخبر کیا تو اُنھوں نے شام پر لشکر کشی کا فیصلہ کر دیا۔ امیر معاویہؓ کو جب حضرت علیؓ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی اپنی فوج لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ حضرت علیؓ

کے لشکر نے دریائے فرات کو عبور کیا تھا کہ شامی فوج سامنے آ گئی۔ دونوں فوجوں کے نگران دستوں میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ لیکن بعد میں دونوں نے ایک دوسرے کے سامنے خیمے ڈال دیئے۔

حضرت علیؓ نے چند لوگوں کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ جنھوں نے امیر معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی بیعت کر لینے پر زور دیا۔ تاکہ امّت میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ اس کے جواب میں امیر معاویہؓ نے کہا کہ یہی وعظ حضرت علیؓ سے کہا ہوتا۔ اس پر وفد نے کہا کہ حضرت علیؓ امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس پر دونوں میں سخت کلامی ہوئی اور اس سفارت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اس ناکامی کے باوجود ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ فریقین میں ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو جنگ کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی محافظ دستوں میں جھڑپیں ہو جاتی تھیں محرم کے مہینے کے احترام میں یہ معمولی لڑائیاں بھی بند ہو گئیں۔ اس دوران میں صلح کی گفتگو جاری

رہی۔

محرّم ۳۷ھ کے گزرتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی فوج نے اس شدت سے حملہ کیا کہ شامیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ کئی روز تک لڑائی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر ۸ صفر کو جنگ کا یہ عالم تھا کہ رات کو بھی فوجیں آپس میں لڑتی رہیں۔ اگلی صُبح کو جب حضرت علیؓ کی فوج شامیوں کو دباتی چلی جا رہی تھی ۔ یکایک نیزوں پر قرآن اُٹھا کر اہل شام پُکارنے لگے۔ "اگر اہل عراق مارے گئے تو فارس کی سرحدوں کی حفاظت کون کریگا۔ اور اگر اہل شام فنا ہُوئے تو رُوم کی حدُود کی حفاظت کون کرے گا؟ آؤ کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ کر لیں۔"

عراقیوں نے قرآن دیکھ کر لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور کہا کہ "کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے" حضرت علیؓ نے بہتیرا کہا کہ "تم حق پر ہو۔ اپنا ہاتھ نہ روکو۔ فتح اب قریب ہی ہے۔ یہ لوگ تم کو فریب دے رہے ہیں تاکہ تم لڑائی سے باز رہو۔ لیکن عراقیوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ

اُنھوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ "آپ کتابُ اللہ کے فیصلے کو منظور کر لیں۔ ورنہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔"

اِس طرح لڑائی ختم ہو گئی اور فریقین میں پھر صُلح سمجھوتے کی کوشش ہونے لگی۔ امیر معاویہؓ نے تجویز کیا کہ فریقین میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے۔ جو کتابُ اللہ کی رُو سے اس قضیّے کا فیصلہ کر دیں۔ عراقیوں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ شامیوں نے متّفقہ طور پر حضرت عمر بن العاص کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیا۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج میں اس مسئلہ پر اِختلاف پیدا ہو گیا۔ عراقیوں نے حضرت اُبو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت علیؓ عبد اللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عراقیوں نے مخالفت کی کہ ثالث غیر جانبدار ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مجبوراً حضرت علیؓ کو حضرت اُبو موسیٰ اشعری کے انتخاب کو ہی قبول کرنا پڑا۔

دونوں پنچوں نے فریقین سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ "جو فیصلہ کتاب و سُنّت کے مطابق کیا

جائے گا۔ اُسے مانیں گے اور جو نہ مانے گا، اُس کے مقابلے میں ہم دُوسرے فریق کی مدد کریں گے تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین کو آنے جانے کی کامل آزادی ہو گی۔" پنچوں سے یہ عہد لیا گیا کہ" وہ نیک نیتی سے اُمّت کی بہتری کا خیال رکھتے ہُوئے اس معاملے کو طے کریں گے اور اُمّت میں باہمی جنگ اور تفریق پیدا نہ ہونے دیں گے۔" فیصلہ کی میعاد رمضان کے مہینے میں رکھی گئی اور پنچوں کو اختیار دیا گیا کہ" اگر وہ ضرورت سمجھیں تو اس میعاد کو بڑھا سکتے ہیں۔ اگر کسی آدمی کی شہادت کی ضرورت ہو تو اس کی شہادت دلوائی جائے گی۔ شام اور عراق کے درمیان میں فیصلہ کا مقام رکھا جائے۔ پنچ اگر مجمع عام میں فیصلہ کا اعلان مناسب خیال نہ کریں تو خاص خاص اشخاص کو موقع پر طلب کر کے فیصلہ سُنا دیں گے۔" اس طرح یہ تباہ کُن جنگ ختم ہوئی۔ جس میں نوّے ہزار مسلمان قتل ہُوئے۔

اس ثالث نامہ کے لکھے جانے کے بعد خارجیوں

کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جس نے اِس بنا پر حضرت علیؓ سے علٰحدگی اختیار کی کہ انھوں نے قرآن کے مقابلے میں آدمیوں کو کیوں حکم مقرّر کیا ہے۔ انھوں نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر بنا لیا۔ یہ شخص اُس وفد میں شامل تھا۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اِن لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے حضرت علیؓ نے عبدُ اللہ بن عبّاسؓ کو بھیجا۔ مگر جب کوئی کامیابی نہ ہوئی تو حضرت علیؓ خود تشریف لے گئے اور بڑی مشکل سے اُنھیں منا کر شہر کوفہ میں لائے۔

چھ ماہ گزر جانے کے بعد جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علیؓ نے ابُو موسٰی اشعریؓ کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ مقام فیصلہ کی طرف روانہ کیا۔ دُوسری طرف سے امیر معاویہؓ نے بھی اسی قدر اشخاص کے ساتھ عمروؓ بن عاص کو روانہ کیا۔ دونوں فریق اذواح کے مقام پر جمع ہوئے۔ اگرچہ عبدُ اللہ بن عمرؓ، سعدؓ بن وقاص

اور مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے اس خانہ جنگی میں کوئی حصّہ نہ لیا تھا۔ تاہم پنچوں کا آخری فیصلہ سننے کے لیے یہ حضرات بھی وہاں پہنچ گئے۔

فریقین میں ایک بہت بڑا فرق یہ بھی تھا کہ امیر معاویہ رضؓ کی طرف سے عمروؓ بن عاص کو جس قدر خطوط آتے تھے۔ اُن سے کوئی دُوسرا شخص واقف نہ ہوتا تھا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کے جب خطوط آتے تو عراقیوں کا اصرار ہوتا تھا کہ وہ خطوط سب کے سامنے سُنائے جائیں۔

بات چیت کے بعد دونوں پنچ اس نتیجے پر پُہنچ گئے تھے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ رضؓ میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے اور یہ معاملہ اُمّت پر چھوڑ دیا جائے۔ کہ کثرت رائے سے جسے منتخب کر لیں، وہی خلیفہ ہو۔

چُنانچہ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور یہ تحریری فیصلہ سُنا دیا گیا تو حضرت علیؓ نے اِس بنا پر اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ امیر معاویہ رضؓ اس فیصلے پر اس لیے راضی ہو گئے کہ اس فیصلے کی رُو

سے کم از کم حضرت علیؓ تو خلافت سے محروم ہو گئے۔ انھیں یقین تھا کہ اُمّت کا ایک بہت بڑا حِصّہ اُن کے زیرِ اثر ہے اور وہ اُن ہی کو منتخب کرے گا۔

حضرت علیؓ نے اہلِ کُوفہ کو حکم دیا کہ چُونکہ پنچوں نے قرآن کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اِس لیے شام پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور خوارج کو بھی شرکت کی دعوت دی۔

خوارج نے نہ صرف شرکت سے اِنکار کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہونے والے لوگوں کو بھی روکنے لگے۔ حضرت علیؓ نے خارجیوں کی بڑھتی ہوئی شورش کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ شام پر حملے کا ارادہ ملتوی کرکے پہلے اِن ہی کا سدِّ باب کیا جائے۔ چنانچہ اِس غرض کے لیے آپ نہروان کی طرف بڑھے۔

حضرت علیؓ نے خوارج کو سمجھانے کے لیے حضرت ابُو ایُّوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو بھیجا۔ جب اِس گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آپ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ کچھ

خارجی حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے، وہ الگ ہو کر حضرت علیؓ کے ساتھ آ ملے۔ اس کے بعد فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ خارجی انتہائی جوش و خروش سے لڑے۔ یہاں تک کہ اکثر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

اس فتح کے بعد جب حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے عرض کی کہ ہمارے تیر گذشتہ جنگ میں ختم ہو گئے ہیں، تلواریں کُند اور نیزے بے کار ہو گئے ہیں۔ اسلحہ دُرست کرنے کی مہلت دیجئے۔ حضرت علیؓ نے اس غرض کے لیے نخیلہ میں قیام کیا۔ مگر وہ لوگ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ چھپ چھپ کر گھروں کو جانے لگے یہاں تک کہ صرف ایک ہزار اشخاص اُن کے پاس رہ گئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت علیؓ بھی کُوفہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے پُر جوش خطبوں سے اہل کوفہ کو بہت اُبھارا۔ وہ زبان سے اقرار تو کر لیتے تھے مگر وقت پر گھروں میں بیٹھ رہتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ تیار نہیں

ہوتے تو مایوس ہو کر شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

امیر معاویہ رضؓ کی نظر میں اس وقت مصر کا معاملہ سب سے اہم تھا۔ حضرت علی رضؓ کی طرف سے قیس بن سعد رضؓ والیِ مصر تھے۔ اُنھوں نے اہل مصر کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ لیکن جب مسلمہ بن مخلد کے ماتحت ایک ایسی جماعت مصر میں پہنچی جو حضرت عثمان رضؓ کا قصاص نہ لینے کے باعث حضرت علی رضؓ کی خلافت کو جائز نہ سمجھتی تھی تو قیس رضؓ نے دانائی سے کام لے کر انھیں کہلا بھیجا کہ "اگر تم امن سے رہو تو تمھارے وظیفے بحال رہیں گے۔ اور تم کو بیعت کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔" کیونکہ اُنھیں اندیشہ تھا کہ اگر مصر میں گڑبڑ ہو گئی تو امیر معاویہ رضؓ مصر پر حملہ کر دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضؓ کے دل میں قیس رضؓ کی طرف سے بدگمانی پیدا کر دی گئی۔ اُنھوں نے حکم بھیجا کہ "فوراً ان لوگوں سے جنگ کرو۔" قیس رضؓ نے جواب دیا کہ "یہی طریقہ بہتر ہے جو میں نے اختیار کر رکھا ہے۔ جنگ کی صورت

میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ لیکن حضرت علیؓ نے جب انھیں جنگ پر مجبور کیا تو یہ مستعفی ہو گئے اور محمدؐ بن ابی بکرؓ ان کے گورنر مقرر ہوئے۔ اُنھوں نے لوگوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس دوران میں جنگ صفین شروع ہو گئی اور یہ لڑائی مُلتوی ہو گئی۔ لیکن جب ان لوگوں کو صفین سے حضرت علیؓ کی واپسی کی اطّلاع ملی تو وہ محمدؐ بن ابی بکرؓ کے مقابلے پر آ گئے اور مصری فوجوں کو پے در پے شکستیں دیں۔

حضرت علیؓ کو جب اِن واقعات کا عِلم ہُوا تو اُنھوں نے جزیرہ کے والی اُشتر نخعی کو مصر کا والی بنا دیا۔ مگر وہ راستہ ہیں ہی انتقال کر گئے۔

امیر معاویہؓ نے عمروؓ بن عاص کو چھ ہزار فوج دے کر مصر کی طرف روانہ کیا کہ اہلِ خربتا کی امداد کریں۔ خونریز جنگ ہُوئی۔ جس ہیں محمدؐ بن ابی بکرؓ بھی مارے گئے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہُوا تو بہت افسوس کیا۔

مصر کی فتح نے امیر معاویہ رضؓ کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اب اُنھوں نے ہر طرف اسلامی صوبوں پر قبضہ کرنے کے لیے اپنی فوجیں روانہ کرنی شروع کر دیں۔

جنگ نہروان کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا تھا، پھر بھی یہ لوگ مصیبت کا باعث بنے رہے۔ آخر ان کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی نے آپس میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضؓ، امیر معاویہ رضؓ اور عمرو رضؓ بن العاص کو قتل کیے بغیر یہ فتنہ بند نہ ہوگا۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضؓ کو، برک نے امیر معاویہ رضؓ اور عمرو نے عمرو رضؓ بن العاص کو قتل کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور فیصلہ کیا کہ ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت ان تینوں کو قتل کیا جائے۔ چنانچہ فیصلہ کرنے کے بعد تینوں اپنی اپنی منزل کو روانہ ہو گئے۔

مقررہ تاریخ کو برک نے دمشق میں امیر معاویہ رضؓ پر اُس وقت حملہ کیا، جب وہ مسجد سے

باہر نکل رہے تھے۔ مگر انھیں معمولی زخم آئے اور وہ بچ گئے۔ عمروؓ بن العاص اس روز بیمار تھے۔ اُنھوں نے اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمرو نے انھیں عمروؓ بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا۔

ابنِ ملجم کسی کو اطلاع دیئے بغیر کوفہ پہنچ گیا۔ اُس نے اپنے دوستوں میں سے اپنے مُعتمد کو اپنا ہمراز بنایا اور قبیلہ تیم رباب میں جا ٹھہرا۔ جن کے دس آدمی نہروان کی جنگ میں حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ انہی میں شحنہ اور اُن کا بیٹا بھی تھا۔ شحنہ کی ایک بیٹی قطّام نہایت قبول صُورت تھی۔ ابنِ ملجم نے اُسے شادی کا پیغام دیا تو اُس نے حضرت علیؓ کا سر، ایک غلام، تین لونڈی اور تین ہزار درہم مہر پر شادی کا وعدہ کیا۔

ابنِ ملجم ۱۲ر رمضان کو مسجد میں جا کر چھُپ رہا۔ جب حضرت علیؓ فجر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو اُس نے حضرت علیؓ پر تلوار کا ایک بھرپُور ہاتھ مارا۔ لوگوں نے ملزم

کو پکڑ لیا۔
چونکہ زخم کاری تھا۔ اِس لیے آپ تیسرے دن یوم شنبہ ۲۳ر رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری کو اِنتقال فرما گئے۔
وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا، اور وصیّت کی کہ" اگر میں گزر جاؤں تو صرف قاتل سے قصاص لینا۔ دُوسرے لوگ قتل نہ کیے جائیں۔ قاتل کے اعضا نہ کاٹے جائیں۔
لوگوں نے پُوچھا" آپ کے بعد حضرت حسن علیہ السّلام کو خلیفہ بنا دیا جائے؟" آپ نے فرمایا" میں اس کے متعلّق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"
حضرت امام حسنؑ نے اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی اور کُوفہ کے قبرستان غرمی میں دفن ہُوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی خلافت چار سال کچھ دن کم نو ماہ رہی۔
حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ آپ بہت بڑے بہادر تھے۔ بڑے بڑے معرکے پیش آئے لیکن کبھی

پروا نہ کی۔ ہجرت نبوی کے وقت یہ حضرت رسُولِ مقبُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بستر پر جا کر سو رہے۔ جو جان جوکھوں کا کام تھا۔ بچّوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔

عہدِ رسالتؐ کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک اُن کی تلوار میان میں رہی لیکن جب پھر زمانہ خلافت میں نکلی تو اُس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی۔

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف دیکھتے تو آپ ہی سے مشورہ لیتے اور عام طور پر آپ کی رائے پر ہی عمل کرتے۔ زہد و تقویٰ، عبادت، ریاضت اور کمالِ علم و فضل میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فصاحت و بلاغت میں بھی وہ بے مثل تھے۔

آپ کے چند ایک واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک لڑائی میں آپ نے ایک یہودی کو زمین پر گرا لیا اور اُس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔

قریب تھا کہ اُس کا سر تن سے جُدا کر دیں کہ اُس نے آپ کے منہ پر تھُوک دیا۔ اِس پر آپ فوراً اُس سے الگ ہو گئے۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ "پہلے میں نے اس سے اللہ کے لیے لڑائی کی تھی۔ مگر جب اُس نے یہ حرکت کی تو مجھے غصّہ آ گیا اور میرے نفس نے کہا کہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ میں نے خُدا کی راہ میں نفس کی تابعداری کرنے کو گوارا نہ کیا اور اُسے قتل نہیں کیا۔

حضرت رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں آپ یمن کے قاضی مقرّر کیے گئے تو آپ نے ایسے بے نظیر فیصلے کیے کہ دربارِ رسالتؐ میں بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھے گئے۔ ذیل کے واقعات سے آپ کی اعلیٰ قابلیّت اور قوّتِ فیصلہ کا پتہ چلتا ہے۔

ایک شخص چوری کے جُرم میں آپ کے سامنے پیش ہوا۔ دو گواہ بھی اُس کے خلاف شہادت دینے کو موجُود تھے۔ حضرت علیؓ نے

گواہوں کو طلب کر کے فرمایا:" اگر تمھاری گواہی غلط ثابت ہوئی تو تمھیں سخت سزا دی جائے گی"۔ یہ کہہ کر اپنے کام میں محو ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کیا دیکھتے ہیں کہ گواہوں میں سے ایک بھی وہاں موجود نہیں۔ آپ نے ملزم کے خلاف شہادت نہ پا کر اُسے چھوڑ دیا۔

ایک اور بڑا دلچسپ مقدّمہ آپ کے رُوبرُو پیش ہوا۔ واقعاتِ مقدّمہ یہ تھے کہ دو شخص ہم سفر ہوئے۔ ایک کے پاس تین اور دُوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ جب دونوں مل کر کھانا کھانے بیٹھے تو ایک اور مُسافر آ کر اُن کے ساتھ شریک ہو گیا اور چلتے وقت اپنے حِصّہ کی روٹیوں کی قیمت آٹھ درم ادا کر دی۔ پانچ روٹیوں والے نے اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درم رکھ کر باقی تین درم دوسرے کو دینے چاہے لیکن وہ نصف قیمت طلب کرتا تھا۔ یہ مقدّمہ جب حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے دُوسرے سے فرمایا کہ "تم اپنے ساتھی کا فیصلہ قبُول کر لو۔ تمھیں نفع رہے

رہا ہے۔ مگر اُس نے اِنکار کیا اور کہا کہ "حق کے ساتھ جو مل جائے وہی بہتر ہے۔" حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "اچھّا سُنو۔ تم تین آدمی تھے۔ تمھاری تین اور تمھارے ساتھی کی پانچ روٹیاں تھیں۔ تم تینوں نے انھیں برابر برابر کھایا۔ اگر تمھاری روٹیوں کے حِصّے تین جگہ کیے جائیں تو نو ہوتے ہیں اور تمھارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے ہوں تو پندرہ بنتے ہیں۔ دونوں کا مجموعہ ۲۴ ہوا۔ تم میں سے ہر ایک نے برابر برابر ٹکڑے کھائے اور ہر ایک کو آٹھ آٹھ ٹکڑے ملے۔ تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ تو خود کھا لیے اور صرف ایک ٹکڑا تیسرے شخص کو دیا۔ تمھارے ساتھی نے اپنے حِصّے کے آٹھ ٹکڑے کھائے اور باقی سات تیسرے شخص کو دیئے۔ اس لحاظ سے تم ایک دِرم اور تمھارا ساتھی سات دِرم کا حق دار ہے۔

اسی طرح ایک اور مقدّمہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ جس میں ایک شخص نے جس کے

پاس سترہ اُونٹ تھے، مرتے وقت اپنے تین بیٹوں کو وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد ان اُونٹوں کا نصف حِصّہ بڑے بیٹے کو، تیسرا حِصّہ منجھلے کو اور نواں حِصّہ سب سے چھوٹے لڑکے کو ملے۔ باپ کے مر جانے کے بعد لڑکے حیران تھے کہ اس مُعاملے کو کس طرح سُلجھایا جائے۔ چنانچہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپ نے حکم دیا کہ بیتُ المال کا ایک اُونٹ ان میں شامل کر کے ان کو اسی تناسب سے تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ بیتُ المال کا اُونٹ شامل کرنے سے اُن کی تعداد اٹھارہ ہو گئی تو بڑے بیٹے کو نو، منجھلے کو چھ اور چھوٹے کو دو اُونٹ ملے اور بیتُ المال کا اُونٹ پھر بیتُ المال میں داخل کر لیا گیا۔

عبادت میں محویّت کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ میں کُچھ تیر آپ کے جسم میں اس طرح کُھب گئے کہ شگاف دے کر انھیں نکالنے کی ضرورت محسُوس ہوئی تو آپ نے منع فرما دیا کہ اس طرح مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ نبی کریم

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "علیؓ کا یہی فولادی جسم نماز کے وقت بالکل موم ہو جاتا ہے۔ اس لیے نماز پڑھتے وقت تیر نکال لینا"۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ نماز پڑھنے لگے تو شگاف دے کر تیر نکال لیے اور انھیں مطلق خبر نہ ہوئی۔

حضرت علیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اُنھوں نے جو قانون بنا دیے تھے، اُن میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نجران کے یہودیوں نے آپ سے درخواست کی کہ اُنھیں حجاز میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تمھارے متعلّق حضرت عمرؓ کا فیصلہ بہت صحیح ہے۔ تمھیں حجاز میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔

آپ سرکاری ملازموں کی بھی سختی سے نگرانی کرتے تھے اور اُن سے پائی پائی کا حساب مانگتے تھے۔ اِس معاملہ میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسّلام پرنٹر اور پبلشر

قرآنی جواہر پارے

اُردو میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب جس میں اُن قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ پیش کیا گیا ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہیں اور تحریر و تقریر میں بطور حوالہ استعمال ہو سکتی ہیں۔

کتابُ الحج

عازمین حج کے لیے مکمل رہنما۔ گھر سے اختتامِ حج تک تمام مناسک ادا کرنے کے طریقے اور دُعائیں جو اُن مواقع پر پڑھی جاتی ہیں۔ نہایت آسان زبان۔

نظرے خوش گزرے

یہ کتاب مقاماتِ مقدسہ کے زائروں کے لیے بالخصوص اور یورپ کے سیاحوں کے لیے بالعموم خضرِ راہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں اسلامی اور یورپی ممالک کے تمام مشہور مقامات کے حالات مع تاریخی پس منظر درج کیے گئے ہیں۔

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

رسول اللہؐ نے فرمایا

حدیث کی چھ مستند کتابوں (صحاح ستہ) کی وہ حدیثیں مع ترجمہ جو اسلامی عقائد، اخلاق اور اعمال کی ان شقوں سے متعلق ہیں جن سے ہمیں روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے اور جنھیں مشعل راہ بنا کر ہم صحیح اسلامی کردار سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا

خلیفۂ اول کے ارشادات، خطبات و مکتوبات کا نچوڑ جن میں دینی و اخلاقی مسائل بھی ہیں اور سیاست و حکومت کے رموز بھی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

خلافتِ راشدہ کے دوسرے ستون حضرت فاروقِ اعظمؓ کے ارشادات گرامی جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں اور اربابِ حکومت و سیاست کے لیے بھی۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ بن عفان کے اقوال و ارشادات کا مجموعہ جن پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا

خلافتِ راشدہ کے چوتھے ستون حضرت علیؓ کے ارشاداتِ گرامی جن میں حکمت و دانش کا سمندر موج زن ہے اور مسلمان زندگی کے ہر قدم پر ان سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ نئے انداز میں

شہرۂ آفاق محقق، مفکر اور جید عالم

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ایم۔ اے، ڈی لٹ

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

کی مایہ ناز تصنیف

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم و آخر

جو سیرۃ النبی ؐ کے عالمی مقابلہ، منعقدہ ۱۹۷۸ء، میں پانچ بہترین کتابوں میں منتخب ہوئی اور رابطۂ عالمِ اسلامی (سعودی عرب) نے فاضل مصنف کو گرانقدر انعام دیا۔

کتاب "پیغمبرِ اعظم و آخر" اِس لحاظ سے ازبس اہم ہے کہ اس میں اسلام کی انقلاب آفریں تحریک کا سیر حاصل جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تحریکِ اسلام درحقیقت تحریکِ رحمۃ للعالمینی ہے۔

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم و آخر اسرارِ حیات، حکیمانہ نکات، معارفِ قرآن اور پیغمبرانہ مشاہدات و واردات کا بیش بہا گنجینہ ہے اور ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اسے عشقِ رسول ؐ میں ڈوب کر، عالمِ جذب و مستی میں، لکھا ہے۔

سائز: ۲۰×۲۶/۸، صفحات: ۶۵۶، مجلد، قیمت:

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

سلسلۂ اسلامیہ

اس وقت تک اسلامی کتابوں کا کوئی ایسا سلسلہ موجود نہیں تھا جو ضروریاتِ زمانہ کے مطابق ہو، جس کے مطالعہ سے طلبہ آسانی کے ساتھ تھوڑے وقت میں پوری پوری مذہبی واقفیت حاصل کر سکیں اور جو جدید طریق پر جدید انداز میں لکھا گیا ہو۔ اس موضوع پر موجودہ کتابوں میں سے بعض تو بالکل ملایانہ ہیں اور بعض اصل مقصد سے دُور۔ یہ سلسلہ یقیناً بہترین اور مفید ترین ثابت ہوگا۔

حصہ اوّل۔ **ایمان** اس میں خدا، رسول، پیغمبر، نبی، فرشتہ، قیامت، قرآن شریف اور صفت ایمان وغیرہ کے اسباق ہیں۔

حصہ دوم۔ **اسلام** اس میں نماز، عبادت، وضو، تیمم، غسل، اوقاتِ نماز، نماز پڑھنے کا طریقہ، عید کی نماز، زکوٰۃ، حج اور عام آداب درج کئے گئے ہیں۔

حصہ سوم۔ **اسلامی رسوم اور تہوار** اس میں اسلامی رسوم مثلاً ختنہ، عقیقہ، شادی، بیماری، وفات اور تمام اسلامی تہواروں مثلاً محرم، عید، شب برات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

حصہ چہارم۔ **حیات النبیؐ** اس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مختصر مگر جامع واقعاتِ زندگی درج ہیں۔ قیمت

حصہ پنجم۔ **خلفائے اربعہؓ** اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے چاروں خلیفوں یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانِ اور حضرت علیؓ کے مکمل حالات درج کئے گئے ہیں۔

حصہ ششم۔ **بنی اُمیہ و بنی عباسؓ** اس میں خلفائے بنی امیہ و بنی عباسؓ کے حالات اور ان کے عروج و زوال کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

حصہ ہفتم۔ **سلاطینِ ہند** اس میں زمانہ ابتدائے تاریخ سے تمام مسلمان فرمانروایانِ ہند اور موجودہ خود مختار اسلامی ریاستوں کے حالات سپردِ قلم کئے گئے ہیں۔

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

یہ 1999 ہے

یہ آج سے 18 سال بعد کی کہانی ہے

اِنسان نے چاند پر بستی بسالی ہے۔ اِس بستی میں مُلک کے سائنس دان اور انجینئر بستے ہیں

ایک دِن اچانک

چاند اپنے محور سے الگ ہو کر خلا کے ہیبت ناک اندھیروں میں بھٹکنے لگتا ہے ——
سائنس دانوں کا زمین سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اب انھیں ہر پَل اپنی موت کا اِنتظار ہے!

جادُو اور طِلسم سے زیادہ حیرت انگیز

سائنسی ناول

جو دل چسپ بھی ہے اور معلُوماتی بھی

ظہیر جاوید کے لکھے ہوئے اس ناول کے دو حِصّے ہیں

چاند کے مُسافر	**سیاہ سُورج**

ہر حِصّے کی قیمت

اپنے شہر کے کتب فروش سے خریدیے

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور - راولپنڈی - کراچی

قرآنی جواہر پارے

اُردو میں اپنی نوعیّت کی واحد کتاب جس میں اُن قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ پیش کیا گیا ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہیں اور تحریر و تقریر میں بطور حوالہ استعمال ہو سکتی ہیں۔

کتابُ الحج

عازمین حج کے لیے مکمّل رہنما۔ گھر سے اختتام حج تک تمام مناسک ادا کرنے کے طریقے اور دُعائیں جو اُن مواقع پر پڑھی جاتی ہیں۔ نہایت آسان زبان۔

نظرے خوش گزرے

یہ کتاب مقاماتِ مقدسہ کے زائروں کے لیے بالخصوص اور یورپ کے سیّاحوں کے لیے بالعموم خضرِ راہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں اسلامی اور یورپی ممالک کے تمام مشہور مقامات کے حالات مع تاریخی پس منظر درج کیے گئے ہیں۔

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

ISBN 969 0 00003 9

Rs. 14.25